آ! سنہ ۱۹۱۶ء آ!

دنیا والو! ہر برس کے پہلے دن خوشیاں مناتے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے رہے ہو ذرا نگاہ اُٹھا کے دیکھو اور کان لگا کے سنو! زمانہ زبان حال سے کہہ رہا ہے آ نئے سال آ! اور ایک نیا مہمان اپنی مہیب صورت کو شگفتہ بنا کے ایک زہرخند کے ساتھ نعرے لگا رہا ہے کہ میرا آنا مبارک! جانتا ہے کہ مجھ سے ستائے ہوؤں میں سے کسی میں بھی خیر مقدم ادا کرنے کا دم نہیں ہے اس لیے آپ ہی اپنا مدح خوان ہے۔ خود ہی مرحبا کہہ لیتا ہے۔ اور آغاز سال پر سنہ نو کی پہلی ہی صبح کو آیا ہے کہ تمہیں مبارکباد دے۔ لڑائی کی طرف سے منہ پھیر کے ذرا پہچان لو کہ یہ کون ہے۔ یہ سنہ ۱۹۱۶ء ہے۔ لڑنے کو تو عمر پڑی ہے۔ لڑنا اور لڑتے رہنا۔ لیکن آج تو ذرا اس خونریزی سے ہاتھ روک کے اس سردی کے موسم میں صحبت عیش کو گرما دو۔

یہ تو بغیر تمہارے کہے ہم جانتے ہیں کہ تمہیں لڑنے سے فرصت نہیں۔ اور فرصت بھی ہو تو آج کل تم ہزاروں فکروں اور سیکڑوں الموں میں مبتلا ہو۔ خدا جانے کیسے کیسے محبوب عزیز اور کیسے کیسے درجے کے یار دوست رخصت ہو گئے۔ اور تم اُن کے سوگ میں ہو۔ ہم تو ہر سال ہی اپنے برس کے آغاز میں غمگین ہوتے ہیں اب کی تم بھی رنج و الم میں مبتلا ہو۔ مگر دنیا میں رنج کے ساتھ ملی جلی خوشیاں بھی چلی جاتی ہیں۔ لوگ ہنستے ہنستے رو دیتے اور روتے روتے ہنس پڑتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اپنی ہمیشہ کی عادت بدل کے آج کی خوشیوں کو ملتوی رکھو؟ نہیں! اِس برس برس کے دن صبح سے شام

تک نہین تو دو ہی گھڑی کو خوشی منا لو۔ خون بھرے ہاتھون کو دھو ڈالو اور اپنے اُن پیارون اور دوستون کی یاد مین جو تمھین گھرون مین بیٹھے یاد کر رہے ہین ایک جام صحت پی لو۔ اور اتنی بھی فرصت نہین تو اپنے اس نئے مہمان سے ذرا ہاتھ ملاکے پوچھ لو کہ "کیا ارادہ ہے؟ زمانے کی اب کیا پالسی ہے؟ خون کی ندیان بہتی ہی رہین گی یا جی بھر گیا؟"

مگر آہ! یہ ہمارے اسٹیٹسمینون اور پالٹیشنون سے زیادہ گہرا اور خاموش ہے۔ قدرت کا سنسر ہمارے سنسر سے بھی سخت اور بے مروت ہے۔ دنیا چاہے ادھر کی اُدھر ہو جائے مگر مجال کیا کہ اس کی زبان سے کوئی لفظ نکلے۔ نہ اپنے دل کی کہتا ہے اور نہ کبھی بات بتاتا ہے۔ تاہم اے جان بازان مغرب یہ نہین بتاتا تو اس کے تیور ہی دیکھ کے بھانپ لو۔ ہم تو اُس زمین کے رہنے والے ہین جہان ہزار ہا سال پہلے چاہے کیسے ہی عقلمند اور دقیقہ رس پیدا ہوئے ہون اب تو فقط بے عقل نیم وحشی جاہل بستے ہین جن کو نہ عقل ہے نہ تمیز۔ اُن کی راے رائے ہی نہ اُن کا کہنا سُننے کے قابل ہے۔ قدرت نے ساری عقل ہر طرف اور ہر ملک سے سمیٹ کے تمھاری ہی سرزمین پہ اکٹھا کر دی ہے۔ اس لیے تمھارے سوا زمانے کے تیور اور کون پہچان سکتا ہے؟

...... قطع نظر اس کے جرمنی و آسٹریا کے مال کی طرح آج کل بھروسے کی اور وثوق خبرون کا بھی کال ہو گیا ہے۔ تم پھر بھی موقع واردات سے قریب ہو یا عرصۂ کارزار کے کسی حصہ پر ڈٹے ہوئے ہو۔ کچھ نہ کچھ سُن گن پا ہی جاتے ہو گے۔ ہم تک تو سچی خبرون کو ایسی ہفتخوان کا راستہ طے کرنا پڑتا ہے کہ مجال کیا کسی واقعہ کا مجمل حال بھی معلوم ہو سکے۔ اور نہ ہم اس قابل ہون کہ کسی امر مین راے قائم کر سکین۔

اِس لیے تم ہی اپنے تازہ مہمان سے مل کے اُسکے تیور پہچانو۔ جس انجام کے لیے ساری دنیا بیقرار ہے اُس کا کچھ پتہ لگاؤ۔ اور للہ بتاؤ کہ جس نئے زمانے سے سابقہ پڑتا ہے کیسا ہے اور کیا کرنے والا ہے۔

تم نے نہ بتایا تو پھر ہم ہی غلط سلط راے قائم کر لین گے اور وہ ہمین ڈر ہے کہ اچھی نہ ہو گی۔ لڑائی جسے خونریز ۱۹۱۴ء نے چھیڑا اور جان ستان ۱۹۱۵ء نے بڑھایا تھا مغرب مین شروع ہوئی اور مشرق کی طرف بڑھتی چلی آتی ہے۔ پہلے ہمین بڑا اطمینان تھا کہ درمیان

ہیں جیسیوں ملک اور خدا جانے کتنی سلطنتیں ہیں۔ جن کو طے کرکے کوئی ہم تک پہونچ ہی نہیں سکتا۔ مگر اُس اطمینان کو ۱۹۱۵ء نے خاک میں ملا دیا۔ اُس کی فتنہ انگیزی سے جو تلوار بلجیم اور فرانس۔ الزاس اور تھروبیہ کی سرحد تک محدود تھی اُس نے پہلے تو اٹلی کے شمالی پہاڑون مین چمک کے اپنا درمیانی سلسلہ ملا لیا۔ مصر مین بھی یہ چنگاری اوائل سال مین چمکی تھی مگر دولت برطانیہ کی عظمت نے ہمارے اطمینان کے لیے اُس پر خاک ڈال دی۔

اُس آگ کے دبنے ہی جزیرہ نمائے بلقان مین خون ریزی و آتش باری ہونے لگی۔ اور جرمنی و آسٹریا کی فوجیں جو جو شرق کی طرف بڑھتی آتی ہین ہمارا خون خشک ہوتا جاتا ہے۔ رومانیہ اور یونان کا اعتبار نہین رہا۔ اُن کی بدعہدی و بے وفائی نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اور برلن و قسطنطنیہ کے درمیان سڑک کھل جانے کے یہ معنے ہین کہ مشرق مین عراق و بغداد تک اور جنوب مین بحرِ ہند تک اِن خون آشام فتنہ انگیزون کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔ عساکر برطانیہ دریا کنارے کنارے بغداد تک بڑھتے چلے گئے ہین۔ مگر درمیان کے صحرا خطرناک ہین اور اندیشہ ہوتا ہے کہ ریگستان عرب سے کوئی دشمن فوج ناگہان نمودار ہو کے ہمارا واپسی کا راستہ نہ روک دے۔ جس کا امید ہے کہ ہمارے حملہ آورون نے کافی انتظام کر لیا ہوگا۔

مگر ہمین تو اس سے بھی زیادہ اندیشہ نظر آتے ہین۔ اور ہر ہفتہ ولایتی ڈاک ایک نیا خطرہ ہمارے سہمے ہوے دل کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔ کبھی یہ سنتے ہین کہ ملک شام عظیم الشان فوج کشی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ جہان سے بڑی بڑی زبردست جرمنی توپین بے اندازہ سامان جنگ۔ اور لاکھون سپاہی مصر کی طرف گزرتے چلے جاتے ہین۔ کبھی یہ بتایا جاتا ہے کہ ایران پر جرمنی اور ترکون نے اپنا پورا پورا اثر ڈال دیا ہے۔ وہان کے وحشی قبائل ہمارے محسن سلوک کو بھول کے فتنہ پردازون کے کہنے مین آگئے ہین۔ اور ساری قلمرو ایران مین ہنگامہ مچا ہوا ہے۔

یہ واقعات خوف دلا رہے ہین کہ لڑائی سارے مرحلے طے کرکے ہماری سرحد کے پاس آ پہونچی۔ اور اس کے ساتھ جب یہ سُن لیتے ہین کہ جرمنی کی سازش خاص ہندوستان کے اندر بھی اپنا کام کر رہی ہے تو ہمارے حواس جاتے رہتے ہین۔ آخر یہ ہونا کیا ہے؟ اور اے خاموش و مکار ۱۹۱۶ء تو کیا کرنے والا ہے؟ ہمین بھی چین سے بیٹھنے دے گا یا نہین؟ بے شک تیرے تیور اچھے نہین ہین۔ یہ ہمین یقین

ہے کہ تو نہ ہماری عالمگیر سلطنت برطانیہ کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ ہمارے ملک کی عام وفاداری واطاعت مین خلل ڈال سکتا ہے - لیکن یہ ممکن ہے کہ تو ہمارے آرام و اطمینان مین فرق ڈالدے بس اسی دھڑکے سے ہمارا لہو خشک ہوا جاتا ہے -

ان دنون صلح کی گفتگو چھڑی تھی اور موہوم سی امید پیدا ہونے لگی تھی کہ ستونی ۱۹۱۵ع اپنے جانے سے پہلے ہی اس ہنگامے کو موقوف کرا دے گا - اور اس کے بعد جو مطلع صاف ہوگا تو دنیا کو صدیون تک کے لیے خونریزی سے فراغت ہو جائے گی - مگر افسوس کچھ نہ ہوا اور عرصہ جنگ اسی طرح گرم ہے - یہ نیا سال جو تحریک صلح کو مٹاتا ہوا آیا ہے اس سے کھلتا ہے کہ یہ بھی شورش پسند ہے اور نہیں چاہتا کہ دنیا والون کو چین سے بیٹھنا نصیب ہو -

یہ تو دنیا کی عام حالت تھی - مگر اس کے بعد تخصیص بعد از تعمیم یہ ہے کہ ہم خاص دلگداز کے متعلق کچھ عرض کرین - اور خود اپنی سرگزشت سنائین - مطابع اور اخبارون کے لیے یہ گزشتہ چند سال نہایت ہی منحوس اور خطرناک تھے - جن مین بات کرنے پر لوگون کی زبان پکڑی جاتی تھی - اور خفیف سے خفیف لغزش کا بھی انجام نہایت سخت ہوتا تھا - دلگداز اگرچہ ایک ادبی اور تاریخی پرچہ ہے مگر پھر بھی موجودہ حالات زمانہ پر کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے - الحمد للہ کہ ہم سے کوئی ایسی لغزشین نہین ہوئین جو کوئی مضر نتیجہ پیدا کرے -

دلگداز مین اب تاریخی مضامین بڑھتے جاتے ہین جن کی نسبت اہل رائے حضرات اپنی عنایت سے اکثر اچھی ہی رائے قائم کیا کرتے ہین - "ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ" کے عنوان سے جو تمدن لکھنؤ کی تاریخ کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے اسے دو سال ہو گئے - دو چار حضرات اس سلسلہ سے اکتا بھی گئے ہین مگر عام رائے اس کی مؤید ہے - یہان تک کہ بعض تعلیم یافتہ و شائستہ صاحب الرائے بزرگون نے اس قدر حوصلہ افزائی فرمائی کہ لکھتے ہین "یہ مضامین ایک جداگانہ کتاب کی حیثیت سے مرتب کرکے شائع کیے جائین" اور بہت سے احباب اس کی بہت سی جلدین خریدنے کا وعدہ فرماتے ہین - انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا مگر چلیے یہ سلسلہ پورا تو ہو - اسے شروع ہوئے دو سال ہو گئے - اور ہمارا خیال ہے کہ ابھی

اور جاہیے - اس لیے کہ سوسائٹی کی اہم ترتیبون کا تذکرہ ابھی بہت زیادہ باقی ہے - اور جب یہ سلسلہ پورا ہو جائے گا تو امید ہے کہ معلومات کا ایک بہت اچھا اور یادرکھنے کے قابل ذخیرہ جمع ہو جائے گا -

"حُسن کی کرشمہ سازیون" کا سلسلہ بھی کچھ نہ کچھ چلے ہی جاتا ہے - اور اس کے ذریعہ سے دلگداز نے نامور خاتونان سلف کے حالات کا ایسا اچھا سرمایہ فراہم کر دیا ہے جو اور کہین کم نظر آئے گا - اس مین شک نہین کہ "تذکرۃ النسا" اور "تذکرۃ خواتین" کے نام سے کئی کتابین فارسی و اردو مین موجود ہین - مگر جس تفصیل و توضیح سے عورتون کے حالات دلگداز کے صفحون پر بیان کیے گیے ہین کسی کتاب مین نہین نظر آ سکتے -

دلگداز کی خصوصیت ہے کہ اُس مین جو کچھ ہوتا ہے خاص اڈیٹر کے دماغ و قلم کا نتیجہ ہوتا ہے - اس مین اور کسی کے مضامین نہین ہوتے - یہ شرط بجائے خود سخت ہے - بہت آسان تھا کہ ایک دس پانچ جزو کا رسالہ نکال دیا جاتا جس مین ملک کے بہت سے انشا پردازون کے مضامین جمع کر دیے جاتے لیکن دلگداز کو اپنی اس یکرنگی ہی پر ناز ہے - اور دست بدعا ہے کہ خدا اس کو آخر تک نباہ دے - لیکن ناظرین سے امید ہے کہ اگر کبھی اس کے کسی مضمون کو اپنے مذاق مین پھیکا پائین تو اُس سخت ذمہ داری کا خیال کر کے جو دلگداز نے اپنے سر لی ہے معاف فرما دین -

بہ لحاظ انتظام دلگداز نے اس سال بہت ترقی کی - یہ تو نہین کہہ سکتا کہ ماہانہ پرچون کی اشاعت مین تاخیر نہین ہوئی - لیکن غالباً یہ بھی غلط نہ ہوگا کہ مقابلہ سنین گزشتہ کے بہت تھوڑی تاخیر سے پرچہ شائع ہوا کیے - ہر ماہ کا پرچہ دوسرے مہینے مین ضرور شائع ہو جایا کیا - اور چونکہ تاریخ اشاعت آخر ماہ ہے اس لیے اُسے زیادہ تاخیر نہ کہنا چاہیے لیکن ہمین امید ہے کہ اس سال اتنی تاخیر بھی نہ ہوگی - اور اب وہ صاحب اپنی ہمدردی و سعی جمیل پوری کرنے کے لیے تیار ہو جائین جو فرمایا کرتے ہین کہ اگر پرچہ ٹھیک وقت پر نکلا کرے تو ہم ہزارون خریدار مہیا کرا دین -

ناولون کے نذر کرنے کا سلسلہ جب سے جاری ہے - اور اس وقت تک غیبان دلہن، زوال بغداد - حسن کا ڈاکو حصہ اول - مقدس نازنین - خوفناک محبت - اور انصانسو سا لہ جیسے ناول مہ بیارون کی نذر ہو چکے ہین - سہ ماہہ ستہ تک نذر رانے کے ناولون کی تیاری مین دیر

ہو جاتی تھی اور بعض مرتبہ آخر سال تک نوبت پہونچ گئی۔ لیکن اب ہم نے اِس کا انتظام بھی درست کر لیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء کے خریداروں کو ناول آلفانسو جنوری ۱۹۱۶ء کے آغاز ہی مین نذر کر دیا گیا۔ جو بہت کچھ اطمینان بخش اور ہمارے قدر افزاؤن کو خوش کرنے والا ہے۔

پبلک مین ناولون کا شوق اِس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اِس پر بھی بہت سے احباب تقاضا کیا کرتے تھے کہ دلگداز مین کسی ناول کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ اور ہر پرچہ کے ساتھ اُس کا ایک جزو شائع ہوا کرے۔ اُن کی یہ خواہش تو ہم اس لیے نہین پوری کر سکے کہ اب ہم دلگداز کی قیمت بڑھانا نہین چاہتے۔ یہ ایک روپیہ سال کا ڈیڑھ روپیہ جو کر دیا گیا یہ بھی ہم نے بڑی مجبوری سے کیا ہے۔ لیکن اُن کا شوق پورا کرنے کے لیے ہم نے **دل افروز** نام ایک نیا رسالہ اپریل ۱۵ء یعنی آغاز ۱۳۳۳ھ محرم سے جاری کر دیا جس کا سالانہ چندہ دو روپیہ ہے۔ اور اِس کا حساب ہمیشہ اپریل سے شروع ہوا کرتا ہے۔ اِس مین دو ناول ہوتے ہین جو مارچ ۱۶ء مین پوری جلدون مین مرتب ہو جایا کرین گے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ دل افروز جب سے نکلا برابر ماہ بماہ ٹھیک وقت پر شائع ہوتا رہا۔ اور اُس کے ناول پسند کیے گئے۔

بہرحال ہمین پوری امید ہے کہ ۱۹۱۶ء مین ہمارے دونون رسالے وقت پر اور پابندی سے نکلتے رہین گے۔ مگر خریدارون کو اتنا خیال رکھنا چاہیے کہ دلگداز یا دل افروز دونون ہمیشہ اپنے سال کے آغاز ہی سے جاری کیے جاتے ہین۔ درخواست چاہے جس مہینے اور سال کے جس حصہ مین آئے پرچے شروع سال ہی سے بھیجے جائین گے۔ یہ نہین ہو سکتا کہ سال کے کسی درمیانی مہینہ سے حساب شروع کیا جائے۔ دلگداز کا سال جنوری سے شروع ہوتا ہے اور دل افروز کا اپریل سے۔ اور جس طرح خریداران دلگداز کی خدمت مین ناول نذرانہ سالانہ چندے پر وی۔پی بھیج دیا جاتا ہے اُسی طرح اپریل کا دل افروز اُس کے تمام قدردانون کی خدمت مین وی۔پی جایا کرتا ہے۔

حسن کی کرشمہ سازیان

راخیل

اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ قسمت بہت سے لوگون کو اکثر ادنے سے اعلی اور کچھ سے کچھ بناتی رہتی ہے۔ مگر قدرت کی یہ انقلاب پسندی جس قدر حسین دیری جمال ناز آفرینون کے اوپر اُچھلنے کے کام آتی ہے شاید اور دن کے کام آتی ہوگی۔ اسی کا ایک لفریب نمونہ گزشتہ صدی عیسوی کی ایک ماہ پارہ یہودن راخیل تھی جس کے حالات ہم رنگدانہ مین درج کرتے ہین۔

راخیل ایک بہت ہی ذلیل و فلاکت زدہ گھرانے کی لڑکی تھی۔ باپ ایک دست فروش بساطی تھا جو تھوڑا سا مال لے کے جرمنی اور سوئیٹزرلینڈ مین شہرون شہرون مارا مارا پھرتا۔ اور اسی پیشہ مین اپنا پیٹ پالتا۔ اس کے اسی خاک چھاننے کے زمانے مین سنہ۱۸۲۱ء تھا کہ سوئیٹزرلینڈ کے شہر منف مین راخیل پیدا ہوئی۔ دو چار سال بعد اُس کا باپ آوارہ گردی سے عاجز آ کے شہر لیون مین مقیم ہوگیا۔ مگر وہان بسر نہ ہوسکی تو سنہ۱۸۳۰ء مین آ کے دارالسلطنت فرانس شہر پیرس مین سکونت اختیار کی۔

یہان باپ تو شاید پاؤن توڑ کے گھر مین بیٹھ گیا مگر بڑی بیٹی سارہ نے بسر اوقات کے لیے یہ پیشہ اختیار کیا کہ پیرس کے قہوہ خانون مین جاتی۔ اور جو لوگ وہان آ کے بیٹھتے اور کھاتے پیتے اُن کے سامنے ایک پرانا چکارہ بجا بجا کے گاتی اور انعام کی امیدوار ہوتی۔ اِن موقعون پر چھوٹی بہن راخیل جو ابھی ننھی بچی تھی بڑی بہن کے ساتھ رہتی۔ اور اُس کے گانے بجانے کے وقت جو حاضرین و سامعین کچھ دینا چاہتے اُن کے پاس دوڑ دوڑ کے جاتی۔ اور سب سے پیسہ تحصیل کرتی پھرتی۔

اتفاقاً کسی قہوہ خانے مین مسیو سورون نام ایک نامور بزرگ رونق افروز تھے جنھون نے اپنی کوشش سے اُس موسیقی کی تعلیم کا ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو عبادت اور گرجے سے مخصوص ہے۔ اُن کی نظر انتخاب اِن دونون لڑکیون پر پڑ گئی۔ خصوصاً چھوٹی بہن راخیل کو اُنھون نے ایک ایسا الماس خیال کیا جو کوڑے مین پڑا مل جائے۔ فوراً دونون کو اپنے ساتھ لائے۔ اور اُن کی تعلیم و تربیت کو اپنے ذمے لے لیا۔

چند روز تعلیم دی تھی کہ مسیو سوردون کو معلوم ہوا "اس نو خیز دوشیزہ کا اندام بیہودن کے اعضا و جوارح بہ نسبت موسیقی کے بتانے اور اپنی دلربایانہ حرکات و انداز سے دلربائی کرنے کے لیے زیادہ موزون ہین - چنانچہ چھوٹتے ہی اُنھوں نے راخیل کو ایکٹ کرنے اور ناٹک کی تعلیم دینے والے اُستاد کے حوالے کر دیا۔ اِس اُستاد نے چار سال تک تعلیم دی - اور راخیل نے بھی اِس طرح دل لگا کے سیکھا کہ اُس مدت کے اندر نہ کبھی محنت سے اُکتائی اور نہ اُس سے بدشوقی ظاہر ہوئی اتنی مدت مین اُسے اِس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اعلیٰ ترین اور مستند مصنفین ڈراما کی ہیروئنون کے انداز اور حرکات و سکنات کیسے ہوتے ہین - اور اُنھین کس شان اور کیسے ناز و انداز سے دکھانا چاہیے - اگرچہ اُس کا رُجحان بعض چھوٹے درجے کے آسان ایکٹون کی طرف تھا مگر شوق سے بڑے اور مشکل و مستند ایکٹون کو حاصل کیا۔ اب وہ اِس اُستاد کو چھوڑ کے کنسرتوار (پیرس کے ایک مستند مدرسۂ غنا) مین جا کے گانا سیکھنے لگی - اور ۱۸۳۸ء مین جبکہ ایک سترہ برس کی ماہ وش نازنین تھی جمناس پیرس کے کرتب دکھانے کے تھیٹر مین اسٹیج پر نمودار ہوئی اور اپنے نازنینانہ کرتب دکھائے - اگرچہ بہت سے ناظرین فریفتہ ہو گئے مگر بہ حیثیت فن کے چندان کامیابی نہین ہوئی -

لیکن دوسرے برس جب اُس نے "تیاتر فرانسیز" (فرنچ تھیٹر) کے اسٹیج پر مشہور ڈراما "لیزوراس" کی ہیروئن کامیل کا پارٹ دکھایا تو قیامت ہی کر دی۔ سارے اہل پیرس دیکھتے ہی دم بخود رہ گئے - جو تھا اُس کا دیوانہ اور اُس کی صورت کا عاشق تھا۔ ایکٹ مین اُس کی جدت طرازی اور ناز و انداز کی تازگی نے پیرس کے بڑے بڑے نکتہ چینون اور نقادون کو مبہوت و متحیر کر دیا۔ اُس کی رسیلی نظرین ہر ایک تماشائی کے دل مین اُتر گئین - اور ہر بات کے ادا کرنے کا جادو بھرا انداز اور ناز بھری ادا نشتر کی طرح ہر سینہ مین پیوست ہو گئے

اسی سال اُس نے بہت سے تاریخی ایکٹ اور مستند مصنفون کے قائم کیے ہوئے کیرکٹر اپنی اداؤن سے دکھا دیے اور زمانے بھر کو اپنا اسیر گیسو بنا لیا۔ یورپ بھر مین اُس کا تذکرہ چھڑ گیا - اور ایک ہی سال کے اندر وہ مقبولیت [illegible]

درجہ کو پہونچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسٹیج پر آنے کے پہلے سال اُسکی آمدنی کا اوسط چار ہزار فرینک سالانہ سے زیادہ نہ تھا دوسرے ہی برس یکبیک اُس کا اوسط بیس ہزار فرینک ہوگیا۔ پھر اس کے بعد جو آمدنی بڑھنا شروع ہوئی تو پہلے تین لاکھ فرینک سالانہ اور پھر چار لاکھ فرینک کو پہونچ گئی۔

پرانے تاریخی کیرکٹیرون پر حکومت حاصل کرکے اُس نے نئے مذاق اور جدید ڈراماؤن کے کیرکٹیرون کی طرف توجہ کی۔ اور اس حیثیت سے بھی وہ چند روز مین تھیٹر کی دنیا کی ملکہ تھی۔ اصل یہ ہے کہ باوجود اتنی ترقی کرنے اور اس قدر دولت مند بن جانے کے آخر عمر تک طالب علمی کی وضع ہاتھ سے نہ دی۔ اپنے فن کے متعلق جو نئی چیز نظر آتی اُس کے حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرتی اور اپنی محنت و ذکاوت سے کامیاب ہو جاتی۔

اُس کی اِس طالب علمانہ کوششون کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہر سال وہ کوئی نیا کمال دکھاتی اور اپنی جدت آفرین طبیعت سے اُس میں نئی نئی دلکش باتین پیدا کرتی۔ اور جن خاص کیرکٹیرون کو اُس نے خاص طور پر اختیار کیا تھا اُن کی تو وہ بادشاہ تھی۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کی گرد کو بھی پاسکے۔

جب اُسے انتہا سے زیادہ ناموری حاصل ہو چکی تو انگلستان کے زندہ دل شوقین بھی اُس کے مشتاق ہوئے۔ اور اُس نے وقتاً فوقتاً لندن کے سینٹ جیمس تھیٹر مین آکے اپنا اعلیٰ کمال دکھایا۔ اور لوگون نے بڑے ہی جوش و خروش اور بڑی گرمجوشی سے اُس کی قدر کی۔ یہان کے لوگون کا شوق دیکھ کے اُس کا حوصلہ بڑھا اور ارادہ کیا کہ امریکہ مین جاکے نئی دنیا والون کو بھی اپنا فریفتہ بنالے۔ چنانچہ اٹیلینٹک اوشن کو منجھا کے نیویارک پہونچی۔ وہان اُس نے اگرچہ غیر معمولی کمال دکھایا مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ وہان کی یہ سردمہری دیکھ کے حوصلہ پست ہو گیا اور فرانس مین ناکام واپس آئی۔

اِلزا راچیل توانا و تندرست نہ تھی۔ ہمیشہ دُبلی پتلی چھریری اور نازک اندام رہی۔ زندگی بھر کبھی اُس کو تیار ہونا نصیب نہ ہوا۔ اس نزاکت و ناتوانی کے ساتھ محنت وہ ہمیشہ اپنی قوت سے زیادہ کیا کرتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحت نے جوانی ہی مین

جواب دے دیا۔ بیمار پڑ گئی۔ اور بیماری نے ایسا طول کھینچا کہ اُس کی زندگی کا چراغ گل ہی کر کے دم لیا۔ چنانچہ ۳۸ ہی سال کی عمر مین جبکہ ۱۸۵۵ء تھا اُس نے سفر آخرت کیا۔ اور دنیا مین اپنی یاد زندہ چھوڑ گئی۔

اُس کی چار بہنین اور ایک بھائی تھا۔ اخیل فلکس بھی پیرس کے تھیٹر ون کے ایکٹر تھے۔ اور انھین بھی ایک حد تک امتیاز حاصل تھا۔ مگر الزا راخیل کا کمال اُسی کے ساتھ اُسکی قبر مین دفن ہو گیا۔

رستم تہمتن

افراسیاب اگرچہ بار بار شکست کھاتا تھا مگر ہمت نہ ہارتا تھا۔ ایک دن چین کی طرف جاتے ہوئے ایک تنومند و قوی ہیکل نوجوان مل گیا۔ اُس سے کہا "رستم سے لڑو گے؟" اُس نے کہا "رستم کیا ہے جس سے کہیے لڑ دون"۔ نام پوچھا بتایا "برزو"۔ دل مین امید پیدا ہوئی۔ اُسے لا کے فنون جنگ کی تعلیم دی۔ خوب تیار کیا۔ اور جب وہ اِس کمال کو پہونچ گیا کہ اپنے تمام استادون کو باندھ لایا۔ اور سب اُستادون نے اُس کی عدیم المثال جنگ آوری کی تصدیق کی تو اُسے فوج دے کے ایران پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ اور خود بھی لشکر عظیم لے کے اُس کے پیچھے روانہ ہوا۔ جب ایرانیون سے لڑائی ہوئی تو اُن کے زبردست پہلوان برزو کے ہاتھ سے چوٹ کھا گئے۔ آخر رستم کا سامنا ہوا۔ اُس پر بھی ایسا زبردست گرز پڑا کہ ہاتھ بیکار ہو گیا۔ مگر بوڑھے پہلوان نے نوعمر حریف پر اپنی کمزوری نہ ظاہر ہونے دی۔ دوسرے دن مقابلہ کا وعدہ کر کے میدان سے واپس آیا۔ اور کیخسرو سے کہا "میرا ہاتھ بیکار ہو گیا لڑائی کی اب مجھ مین تاب نہین۔ آپ جانین اور آپ کا کام جانے۔ مین سیستان جاتا ہون کاش میرا بیٹا فرامرز ہوتا تو وہ برزو سے لڑ لیتا۔ مگر وہ ہندوستان پر حملہ آور ہے"۔ لشکر عجم مین رونا پیٹنا پڑ گیا۔ اور بادشاہ سے لے کے سپاہی تک ناامید تھے کہ خدا کی قدرت فرامرز آ گیا۔ اور کہا "برزو کی فوج کشی کا حال سُن کے مین جلدی جلدی کوچ کر کے آیا ہون"۔ اُسے دیکھ کے رستم کی جان مین جان آئی۔ اور دوسرے دن اپنے کپڑے پہنا کے اُسے برزو کے مقابلہ پر بھیجا۔

فرامرز کو دیکھ کے برزو نے کہا "معلوم ہوتا ہے وہ کل والا بوڑھا حریف میرے گرز کے صدمے سے مر گیا" فرامرز نے جواب دیا کہ "مین ہی ہون جو کل تجھ سے لڑا تھا" اور ساتھ ہی گرز بازی شروع کر دی فرامرز نے ایسی پھرتی سے تابڑ توڑ گرز مارنے کہ برزو گھبرا گیا۔ اور اُسی گھبراہٹ مین ایک ضرب کھا کے گھوڑے سے گرا۔ فرامرز نے کمند مین پھانس کے ارادہ کیا کہ کھینچ لیے جائے۔ یہ دیکھ کے تورانی ٹوٹ پڑے۔ اُدھر سے لشکر عجم نے بھی حملہ کر دیا۔ اور جنگ مغلوبہ ہو نے لگی۔ اُسوقت رستم بھی بیٹے کی مدد کو جا پہونچا۔ اور دونون باپ بیٹے برزو کو زندہ پکڑ لائے کیخسرو نے اُس کے قتل کا حکم کیا۔ مگر رستم نے سفارش کر کے جان بچائی اور اپنے ساتھ سیستان مین لے جا کے خاص اپنے گھر مین زنجیرون مین باندھ کے رکھا۔

ان واقعات کی خبر برزو کی مان شہرو کو جو ہوئی تو ایران ہوتی ہوئی سیستان مین آئی۔ اور کہین ٹھہر کے رستم کے گھر کی ایک ڈومنی سے دوستی پیدا کی۔ اُس کے ذریعہ سے برزو کے حالات معلوم کیے اور اُسی کے ذریعہ سے کسی بہانے اپنی انگوٹھی اُس کے پاس بھیجدی۔ برزو دیکھ کے بہت خوش ہوا۔ اور چونکہ وہ ڈومنی ہمدرد اور موافق تھی اُس پر ظاہر کر دیا کہ یہ میری مان ہے جو میری مدد کو آئی ہے۔ اب ڈومنی نے جا کے شہرو سے ہمدردی ظاہر کی اور مدد کا وعدہ کیا۔ تو اُس نے ایک سوہن دیا۔ اور کہا۔ یہ اُس کو دے دینا اور کہنا کہ فلان تاریخ تم اپنی بیڑیان کاٹ کے بھاگ آؤ" برزو نے یہی کیا۔ اُس ڈومنی کو بھی ساتھ لیا۔ اور بھاگا۔ شہر کے باہر تین گھوڑے تیار ملے۔ جو شہرو نے مہیا کر رکھے تھے۔ اور تینون اُن پر سوار ہو کے ترکستان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

اتفاقاً رستم شکار سے واپس آ رہا تھا کہ راستہ مین مڈبھیڑ ہو گئی۔ دونون لڑنے لگے۔ لڑائی دیر تک رہی۔ مگر کوئی کسی پر غالب نہ آیا۔ آخر رستم نے محسوس کر لیا کہ مین اس پر قابو نہ پا سکون گا۔ صلح کی باتین کرنے لگا۔ پوچھا کہ "تم بھاگ کیونکر سکے؟" برزو نے تمام واقعات جو پیش آئے تھے بلاکم وکاست بتا دیے۔ اور ڈومنی نے قبول کیا کہ "ہان مین نے قصور تو کیا ہے۔ آپ جو چاہین سزا دین" رستم نے ان لوگون کے پاس بطرق دعوت کھانا بھیجا۔ جس مین زہر ملا دیا تھا۔

ڈومنی کھاکے مرگئی - مگر ماں بیٹوں نے اتفاق سے نہ کھایا اور بچ گئے. برزو نے
بگڑ کے رستم کو ہزاروں گالیاں دین - اور کہا" بھلا یہ شریفوں کا شیوہ یا بہادری
ہے؟ مرد ہے تو آکے مقابلہ کر" مجبوراً رستم کو پھر مقابلہ کرنا پڑا - اور لڑائی ٹھن
گئی۔ دونوں حریف ایک دوسرے پر حملے کرتے کرتے تھک گئے - اور آخر مین
زور آوری کر رہے تھے کہ رستم کے گھوڑے نے برزو کے گھوڑے کو اس
زور سے ایک جھٹک دی کہ وہ چیخ کے بھاگا اور برزو جس کی کمر پر رستم کا
ہاتھ تھا گھوڑے سے علیحدہ ہوکے زمین پر گرا - اتنا موقع پاتے ہی رستم گھوڑے
سے کود کے سینہ پر چڑھ بیٹھا اور بیش قبض نکال کے چاہتا تھا کہ سینہ چاک کرے
کہ شہرو نے بڑھ کے ہاتھ پکڑ لیا - اور چلائی" بیٹے کی تو جان لے چکا کیا اب پوتے کو
بھی قتل کرے گا؟" رستم نے گھبرا کے پوچھا" پوتا کیسا؟" شہرو نے کہا" برزو تیرا پوتا
اور سہراب کا بیٹا ہے!" رستم" مین نہ مانون گا - یہ بھی کوئی فریب ہے - اچھا اگر سچی
ہے تو سہراب کی کوئی نشانی دکھا اور ثبوت دے" شہرو نے فوراً سہراب کی انگوٹھی
نکال کے دکھا دی - یہ دیکھتے ہی رستم نے اٹھا کے پوتے کو گلے لگا لیا - خوش خوش گھر پر
لایا - زال سے ملایا - اور اُس گھڑی سے برزو بھی ایران کی فوج کا ایک پہلوان
اور کیخسرو کا جان نثار بن گیا-

اب افراسیاب نے ایک گانے والی مکار رنڈی کو بھیجا کہ رستم اور
اُس کے ساتھیوں کو اپنے دام تزویر مین لاکے ہلاک کرے - پیلسم نام پہلوان
کو اُس کے ہمراہ کیا کہ طاقت وری کے کامون مین مدد دے - یہ عورت جس کا
نام سوسن تھا سیستان اور ایران کے درمیان مین آکے سر راہ ٹھیری - اپنا
ایک قصر بنوایا - اور وارد و صادر کی خدمت اور مہمان داری کرنے لگی - اتفاقاً
رستم کے گھر کسی تقریب مین دعوت تھی - تمام پہلوانان عجم موجود تھے - شاہزادہ طوس
اور گودرز مین کچھ جھگڑا ہو گیا - طوس نے خنجر کھینچ لیا - رہام نے بیچ مین آکے خنجر
چھین لیا - اِس پر بگڑ کے طوس چلا گیا - گودرز معذرت کے لیے اور باقی تمام پہلوان
بیچ بچاؤ کے لیے آگے پیچھے چل کھڑے ہوئے - اور سب سوسن کے قصر پر پہونچ کر اُن کے
مہمان ہوئے - سوسن نے انھین شرابین پلا پلا کے مدہوش کیا - اور پیلسم نے آکے باندھ لیا-

اس طریقہ سے طوس۔ گودرز۔ گیو۔ بیژن۔ گستہم۔ رہام۔ سب اس مہمان خانے مین پابزنجیر کرکے بٹھا دیے گئے۔ سب کے بعد زال پہونچا جو طوس کے منانے کو آیا تھا۔ اُسے کچھ شبہہ ہوا۔ اور آخر اپنی تجربہ کاری سے سمجھ گیا۔ اُس نے رستم کو خبر کی۔ رستم و فرامرز اور برزو سب آپہونچے۔ اور سوسن کے لوگون سے لڑائی ہونے لگی۔ افراسیاب بھی پاس ہی لگا ہوا تھا۔ زبردست لشکر لے کے وہ بھی آپہونچا۔ دوسری طرف سے کیخسرو بھی اپنا لشکر لے کے آگیا۔ اور پورا میدان جنگ گرم ہوگیا۔ سوسن بھاگ کے افراسیاب کے لشکر مین ہو رہی۔ مگر تھوڑی ہی دیر مین پیلسم اور نامور پہلوانان ترکستان کا رستم اور فرامرز نے خاتمہ کر دیا۔

اب افراسیاب زندگی سے عاجز تھا۔ اپنی بُری بھلی تدبیرون مین نامراد و مایوس ہو کے جان دینے پر تُل گیا۔ اور میدان مین آ کے کہا "اب لڑائی کا فیصلہ یون ہوگا کہ کیخسرو میرے مقابلہ پر آئے اور ہم دونون آپس مین سمجھ لین گے۔" کیخسرو اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا مگر تیار ہو گیا۔ رستم اور تمام سرداران فوج نے روکا مگر کسی طرح نہ سنتا تھا۔ آخر برزو نے جا کے کچھ اس طرح التجا کی کہ مان گیا اور برزو افراسیاب کے مقابلہ کو نکلا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی افراسیاب نے کہا "مین نے تجھے اسی لیے پالا اور تیار کیا تھا کہ تو میرے مقابلہ کو آئے؟" یہ کہہ کے ایک آہ سرد کھینچی۔ برزو نے اُس کے جرائم و مظالم گنوائے۔ اور کہا "تو اسی قابل ہے کہ مین تجھ پر حملہ کرون۔"

اب دونون لڑنے لگے۔ اور جب شمشیر و نیزہ بازی مین عاجز آکے گرز بازی پر جھکے تو افراسیاب کو اُس کے خیر خواہ اس اندیشہ سے ہٹالے گئے کہ برزو کے گرز کی تاب نہ لاسکے گا۔ اور ساتھ ہی سارے تورانی لشکر نے برزو پر نرغہ کر دیا۔ اس کی مدد کو رستم و فرامرز اور ایرانی سپاہی آپہونچے۔ دیر تک عرصۂ حرب و ضرب خوب گرم رہا۔ آخر تورانیون کو ساتھ لے کے افراسیاب بھاگا۔ اور رستم نے کیخسرو کو سیستان مین لے جا کے اپنا مہمان کیا۔ وہان ایک ہفتہ تک جشن عیش منایا گیا۔ پھر رستم نے دربار کی خدمت کے لیے فرامرز و برزو کو پیش کر کے اپنے لیے معافی حاصل کر لی۔ اور ارادہ کیا کہ اب مین کسی میدان مین نہ لڑونگا۔ اس کے بعد بھی کیخسرو اور افراسیاب مین متعدد لڑائیان ہوئین جن مین افراسیاب

تاج و تخت اور ملک و سلطنت سے محروم ہو کے ایک غار مین جا چھپا۔ آخر وہان بھی گرفتار ہو کے آگیا اور کیخسرو نے اپنے باپ کے انتقام مین خاص اپنے ہاتھ سے سر کاٹا۔ مگر ان لڑائیون کو رستم کی معرکہ آرائیون سے کوئی علاقہ نہین ہے۔ وہ سیستان مین خاموش بیٹھا تھا۔ اور انکار دنیا سے الگ تھا۔

رستم کی اس خانہ نشینی کے زمانے مین سلطنت عجم مین بہت بڑے بڑے انقلاب ہو گئے۔ کیکاؤس مرا اور کیخسرو مستقل تاجدار عجم ہوا۔ پھر کیخسرو نے بھی دنیا ترک کر دی اور ایک چشمہ پر جا کے غائب ہو گیا۔ جاتے وقت وہ کیکاؤس کے داماد لہراسپ کو اپنا جانشین بنا گیا۔ لہراسپ کے دو بیٹے کیکاؤس کی بیٹی سے تھے شیراسپ اور اردشیر اور دو بیٹے ایک دوسری بی بی سے تھے۔ گشتاسپ اور زریر گشتاسپ سب فرزندون مین لائق مگر زرا بد مغ تھا۔ اسوجہ سے لہراسپ اُس سے ناراض رہتا۔ گشتاسپ پہلے بگڑ کے ہندوستان چلا گیا۔ زریر باپ کے کہنے سے سمجھا بجھا کے لایا۔ پھر بگڑی اور گشتاسپ بھاگ کے روم مین ہو رہا۔ وہان بڑی مصیبت اُٹھائی۔ اور آخر خوش قسمتی سے قیصر کی بیٹی کتایون سے شادی ہو گئی۔ قیصر اُسے ایک گمنام معمولی شخص خیال کر کے حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ مگر اُس کے عجیب و غریب کارنامے دیکھ کے پہچانا کہ یہ تاجدار کیانی کا فرزند ہے۔ بہت خوش ہوا۔ اور ساری فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ اب لہراسپ کو پتہ لگا کہ گشتاسپ روم مین ہے اُسے بُلوا کے تخت عجم پر بٹھایا۔ اور خود ایک خانقاہ مین بیٹھ کے عبادت کرنے لگا۔

گشتاسپ کے قیصر کی بیٹی کے بطن سے دو بیٹے ہوئے۔ اسفندیار اور پشوتن۔ اُس کا وزیر جاماسپ عقلاے روزگار مین تھا۔ اور بہت بڑا عالم کیمیا تھا۔ اُس نے اسفندیار کو چند بوٹیون کے ساتھ پکا کے اُسے روئین تن بنا دیا۔ یعنی اُس کا جسم فولاد کا سا کر دیا جس پر کوئی حربہ کارگر نہ ہو سکتا۔ پھر اسفندیار کو اصول و فنون جنگ کی تعلیم دی۔ اور ایک بے نظیر سورما بنا دیا۔

اسی زمانے مین زرتشت نے ظاہر ہو کے دین آتش پرستی کی دعوت شروع کی۔ گشتاسپ اس کا پیرو اور مرید ہو گیا۔ اور آتش پرستی کو فروغ دینے لگا۔ ان دنون اُس کا سب سے بڑا دشمن شاہ چین و ماچین ارجاسپ تھا جس کے زیر حکم دیو

دیری بہنیں تھے۔ زرتشت نے گشتاسپ کو ارجاسپ سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ دونوں تاجدار زبردست لشکر لے کے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے۔ اس لڑائی میں ایران کے تمام شاہزادے اور نامی پہلوان مارے گئے۔ اور سوا اسفندیار کے کوئی نہ بچا۔ جس کو ولی عہد بنا کے گشتاسپ نے حکم دیا کہ "جاؤ اور ساری دنیا میں ملت مجوس کو رواج دو۔ اسفندیار نے فوراً کمر ہمت باندھی۔ روم و عرب و ہند میں سب جگہ آتش پرستی کو پھیلایا۔ اور باپ کو اپنی کامیابی کا مژدہ سنایا۔

اتفاقاً ایک متفنی شخص نے گشتاسپ کو یقین دلا دیا کہ اسفندیار آپ کا دشمن ہے۔ گشتاسپ نے اسی قلعۂ زندان میں قید کر دیا اور سخت زنجیروں میں باندھ کے رکھا۔ پھر خود سیستان میں جا کے رستم کو اپنا ہم مشرب بنایا۔ وہیں تھا کہ خبر آئی شاہ چین ارجاسپ نے پھر سر اٹھایا ہے۔ بلخ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور لہراسپ کو جو وہاں کی خانقاہ میں عبادت گزار تھا اور لوگوں کے مجبور کرنے سے میدان میں آیا تھا گھیر کے مار ڈالا۔ ملت مجوس اور ژند واوستا کی توہین کی۔ یہ خبر سنتے ہی گشتاسپ نے گھبرا کے رستم سے کہا "یہ مدد کا وقت ہے"۔ اس نے کہا "آپ چلیں میں بھی سامان سفر کر کے حاضر ہوتا ہوں"۔ گشتاسپ بلخ پہونچا۔ اور وہاں دشمن کی قوت کو زبردست دیکھ کے رستم کو بلوایا۔ مگر اس سے عذرات بارد کر دیے۔ آخر لڑائی میں گشتاسپ کو بہت فاش شکست ہوئی۔ ایرانی بدحواس بھاگے شاہزادے اور نامور سردار مارے گئے۔ گشتاسپ کی بہنیں چینیوں کے ہاتھ میں اسیر ہوئیں۔ خود گشتاسپ نے ایک پہاڑ پر جا کے پناہ لی۔ اور وزیر جاماسپ سے مشورہ کیا۔ اس نے بتایا کہ آپ کو اب صرف اسفندیار کی معرکہ آرائی سے فتح ہو سکتی ہے۔ فوراً اسے آزادی دے کے گشتاسپ نے عذر خواہی کی۔ اور کہا "اس فتح کے بعد میں گوشہ نشین ہو جاؤں گا اور تاج و تخت تمہارے ہوں گے"۔ اسفندیار نے جا کے چینیوں کو شکست دی۔ اور باپ کو آکے مژدۂ فتح سنایا۔ گشتاسپ بہت خوش ہوا۔ اور کہا "اب تم میری بہنوں کو چینیوں کی قید سے چھڑا لاؤ تو تاج و تخت تمہارے حوالے کر دوں"۔ اسفندیار نے یہ مہم بھی اپنے سر لی۔ اور ایک ہفتخوان طے کر کے جو رستم کی ہفت خوان سے بھی زیادہ سخت تھی چین کے قلعۂ دژ روئین پر پہونچا۔ جہاں اس کی پھوپھیاں اسیر تھیں۔ سوداگروں کے بھیس میں قلعہ کے اندر گیا۔ ارجاسپ اور اسکے بیٹے کہرم کو قتل کیا۔ اور اپنی پھوپھیوں کو لا کے گشتاسپ کے گلے لگایا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

موسیقی کے ساتھ ناچ نے بھی ایک ممتاز فن کی حیثیت سے لکھنؤ مین بہت نمایان ترقی کی۔ رقص ہر قوم مین تھا۔ اور قدیم سے قدیم زمانے مین تھا۔ فراعنۂ مصر کے سامنے بانکی رسیلی عورتین کھڑی ہو کے ساز کے ساتھ ناچا کرتی تھین۔ حضرت مسیح کے عہد مین بپتسما دینے والے یوحنا کا سر ہیرو ڈیا نے ناچ ہی کے کٹوایا تھا۔ مگر ہندوستان مین بہت صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گانے کی طرح ناچنا بھی عبادت مین داخل تھا۔ اور یہان فن رقص کی پرورش ہمیشہ مذہب ہی کے آغوش مین ہوئی۔ چنانچہ اس فن کے جاننے اور کرنے والے خاص برہمن تھے۔ اور اُن کا مرکز یا تو اجودھیا اور بنارس کے کتھک تھے یا متھرا اور برج کے رہس دھاری۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان کے تمام قدیم مندرون مین اگرچہ سیکڑون ہزارون عورتین دیوتاؤن کی مورتون کے سامنے روز مجری کیا کرتی تھین۔ اور جہان جہان بڑے معبد تھے وہان قدیم سے قدیم زمانے مین ناچنے والیون کا ایک بڑا بھاری گروہ بھی موجود رہا کرتا تھا مگر ناچنے کی اُستادی ہمیشہ مردون ہی مین رہی۔ اور وہی جوان عورتون کو اُس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

ناچنا دراصل حرکات جسمانی کے باقاعدہ بنانے کا نام ہے۔ حرکات کی اس باقاعدگی کو اگر بہت سے اشخاص کے حرکات کے موافق یکسان اور موزون بنانے سے تعلق ہو تو وہ ڈرل یا فوجی قواعد ہے۔ یا یورپ کے میوزک ہالون کا وہ ناچ ہے جو "بیلڈ" کہلاتا ہے۔ اور اب اکثر ہندوستان کے تھیٹرون مین نظر آجایا کرتا ہے۔ اور اگر وہ حرکات کی باقاعدگی موسیقی کی لے اور آواز کے نشیب و فراز کے موافق بنانے سے علاقہ رکھے تو وہ رقص ہے۔ ہندوستان کا اصلی خالص رقص یہی ہے کہ جسم کے حرکات و سکنات گیتون اور شعرون کے زیر و بم کے مطابق اور مناسب بنا لیے جائین۔ یہ اصلی ناچ ہے جو ہندوستان مین ایک بہت بڑا وسیع فن بن گیا۔ اِس کی سیکڑون گتین اور بے شمار توڑے اور ٹکڑے ایجاد ہو گئے۔ اِس کے بعد رقص مین جذبات و خیالات کا اشارون اور حرکتون سے ادا کرنا بھی شامل کر لیا گیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی گانا ناچنے کی

شرح بن جاتا ہے۔ پھر جب خوبصورت عورتون کا ناچنا لوگون کو فطرۃً زیادہ پسند آیا تو معشوقانہ ناز و انداز دکھانا۔ اور نزاکت و نازنینی کی ادائون کا ظاہر کرنا بھی اس کا جزو بن گیا۔ لکھنؤ کے اسکول نے انھین امور کا لحاظ کر کے زنانے اور مردانے طائفون مین امتیاز پیدا کر دیا۔ نزاکت کے ساتھ بتانا۔ معشوقانہ انداز دکھانا۔ اور ہر حرکت مین معشوقیت و نازنینی کا لحاظ رکھنا ناچنے والی عورتون کے ساتھ مخصوص رہا جو بعض وقت اگر بے مزہ ہو تو ناظرین کی طبیعتون کو سست اور پست کر دیتا ہے۔ اس کے مقابل حرکات کو گت کے مناسب بنانے مین چلت پھرت دکھانا۔ اور شاعرانہ دلکشی سے اظہار جذبات کرنا۔ مردانے طائفون کے لیے خاص ہو گیا۔ اگرچہ دونون گروہ ایک دوسرے کے فن کا ایک مناسب حد تک ضرور لحاظ رکھتے ہین مگر یہ امتیاز نمایان طور پر قائم ہے۔

یہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہین کہ اودھ اور لکھنؤ مین ارباب نشاط اور مجرئی کرنے والی رنڈیون کے طائفون کا آ کے جمع ہونا نواب شجاع الدولہ ہی کے زمانے مین انتہائی درجہ کو پہونچ گیا تھا۔ اُن کے علاوہ جو دھیا اور بنارس کے کتھک جو یہین یا قریب ہی موجود تھے قدردانی دیکھ کے دربار کے مرکز کی طرف کھنچنے لگے۔ اور دونون کے میل جول سے رقص کا فن نمایان ترقی کرتے کرتے یہان خاص شان پیدا کرنے لگا۔

مرد ناچنے والون کے یہان دو گروہ ہین۔ ایک ہندو کتھک اور رہس دھاری اور دوسرے مسلمان کشمیری بھانڈ۔ مگر اصلی ناچنے والے کتھک ہین۔ اور کشمیری طائفون نے معلوم ہوتا ہے اپنی نقالی کے کمالات مین جان ڈالنے کے لیے اپنے گروہ مین ایک ناچنے والا نوعمر لڑکا بڑھا لیا۔ جو بال بڑھا کے عورتون کا سا جوڑا باندھتا ہے۔ اور نہایت ہی جلد جلد بھی مین سے ناچ کے اپنی چلت پھرت سے محفل مین زندہ دلی اور تازگی پیدا کر دیتا ہے۔

ہندو کتھکون مین سے کوئی نہ کوئی باکمال ہر زمانے مین یہان موجود رہا۔ یہ لوگ اپنے فن کا بانی مہادیو جی پاربتی جی اور کنہیا جی کو بتاتے ہین۔ شجاع الدولہ اور آصف الدولہ کے عہد مین خوشی مہاراج ناچنے کا بڑا زبردست اُستاد تھا۔ نواب سعادت علی خان غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر کے دور مین ہلال جی۔ پرکاش جی اور دیالو جی مشہور ناچنے والے تھے۔ محمد علی شاہ کے زمانے سے واجد علی شاہ کے عہد فرمانروائی تک پرکاش جی کے بیٹون درگا پرشاد اور ٹھاکر پرشاد کے ناچ کی شہرت رہی درگا پرشاد کی

نسبت کہا جاتا ہے کہ ناچ مین واجد علی شاہ کا اُستاد تھا۔ اُس کے بعد درگا پرشاد کے بیٹون کالکا اور بندا دین کی شہرت ہوئی۔ اور قریب قریب تمام لوگون نے مان لیا کہ سارے ہندوستان مین ناچنے کا اِن دونون سے زیادہ صاحب کمال اُستاد کوئی نہین ہے۔ پُرانے اُستاد کسی خاص بات مین نمود حاصل کرتے تھے۔ مگر اِن دونون بھائیون خصوصاً بندا دین نے ناچ کے تمام فنون مین کمال دکھا کے اپنے آپ کو ہر حیثیت سے اُستاد بے بدل ثابت کر دیا۔ اور آج کل کے کل مشہور ناچنے والے اُنھین دونون بھائیون کے شاگرد ہین۔ اور اُن کا گھر ہندوستان بھر کا سب سے بڑا رقص کا اسکول ہے۔

کالکا تھوڑا زمانہ ہوا کہ مر گیا اور سچ یہ ہے کہ اُسکے مرنے سے بندا دین کے ناچ کا مزہ اُٹھ گیا۔ بندا دین کی عمر اِس وقت ۷۰ سال کی ہے۔ اور اب بھی ناچ کے شائق اُس کا بھرپور جلسہ اپنی زندگی کی ایک یادگار مسرت تصور کرتے ہین۔ اُس کا گت پر ناچنا، رقص کے اُستادانہ توڑے اور ٹکڑے اصلی صورت مین دکھانا۔ گھونگرو بجانے مین یہ اختیار اور قدرت ظاہر کرنا کہ سب گھونگرو چاہے بجائے۔ اور اُس کے بعد ہر لفظ اور ہر ہر چیز کو بتانا ایسی چیزین ہین جن کا بندا دین ہی پر خاتمہ ہے۔ وہ ایک ایک چیز کو سو سو ادائون و ضعون۔ نزاکتون۔ اور دلفریب اشارون سے بتاتا ہے۔ اور اُس مین ایسی نازک خیالی اور جدت طرازی ہوتی ہے کہ دیکھنے والا جانتا نہ ہو تو سمجھ بھی نہین سکتا۔ معمول تھا کہ بندا دین بتاتا اور کالکا پاس کھڑے ہو کے اُس کی تشریح کرتا جاتا۔ اُس کی تشریح ہی سے لوگون کو پتہ چلتا کہ بندا دین اپنے فن مین کیسا کمال دکھا رہا ہے۔ ناچ مین اُس کے پاؤن اِس نزاکت سے زمین پر پڑتے ہین کہ مشہور ہے بعض اوقات وہ تلوار کی باڑھ پر ناچا اور مجال کیا جو تلوے مین چرکا آیا ہو۔

مقیاس نیل

کسی دریا کے مقیاس سے مراد وہ پیمانہ یا میٹر ہے جسکے ذریعہ سے اُس کے بڑھنے اور گھٹنے کا اندازہ کیا جا سکے۔ یون تو دنیا مین سیکڑون ہزارون ندیان ہین مگر کسی کے چڑھاؤ اُتار کا اندازہ کرنے کی لوگون کو اگلے دنون اِس قدر

فکر نہ تھی جس قدر کہ دریاے نیل کے بڑھنے گھٹنے اور اُس کا کوئی خاص پیمانہ مقرر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی

اصل یہ ہے کہ دنیا کی سب سے پہلی متمدن سرزمین ارض مصر ہے۔ اور مصر کی فلاح و بہبود بلکہ وہان کے لوگون کی زندگی کا دار و مدار قدیم ایام سے آج تک صرف دریاے نیل پر رہا ہے۔ ملک مصر ایک طرف وادی تیہ سے دوسری جانب دشت سوڈان سے اور تیسری سمت ریگزار طرابلس سے گھرا ہوا ہے۔ غرض کہ بالکل صحرا و جبال کے آغوش مین ہے۔ بارش اس قدر کم ہوتی ہے کہ زراعت اور پیداوار کے لیے بالکل ناکافی ہے صرف ایک دریاے نیل نے جو جنوبی دشت سوڈان سے لیتا ہوا آکے بحیرۂ روم مین گرا ہے اس بیابانی قطعۂ زمین کو دنیوی جنت بنا دیا ہے خلاصہ یہ کہ نیل ہی مصر کی کل کائنات ہے۔ یہ دریا نہ ہوتا تو مصر بھی ایک دشت بے گیاہ ہوتا جس مین اہرام کی جگہ ریگ روان کے تودے اور دولت مند زمیندارون کے بدلے بدوی خانہ بدوش پانی کی تلاش مین ٹھوکرین کھاتے نظر آتے۔

دریاے نیل کی سب سے بڑی برکت اُسکی یہ خصوصیت ہے کہ گرمیون مین وہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہان تک کہ بڑھتے بڑھتے چادر آب زمین کے اوپر کوسون اور منزلون تک پھیل جاتی ہے۔ اور جب زمین اچھی طرح پانی پی کے خوب سیراب ہو لیتی ہے تو دریا اُترنے لگتا ہے۔ میدان کھل جاتے ہین۔ اور ہر طرف ہرے ہرے کھیت لہلہا اُٹھتے ہین۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مصر والون کی زندگی کا دار و مدار دریاے نیل ہی پر نہین بلکہ اُس کی طغیانی پر ہے۔ طغیانی مین ذرا بھی تاخیر ہوئی تو لوگون مین ہلچل پڑ جاتی ہے۔ اور کمی ہوتی ہے تو قحط باعث ہلاکت ہو جاتا ہے۔ اسی کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ مسیحیت نے اگرچہ بت پرستی کے تمام پُرانے طریقون کو مٹا دیا۔ مگر مصری قبطیون کی اس مشرکانہ ضعیف الاعتقادی کو نہ مٹا سکی کہ دریاے نیل کی طغیانی مین تاخیر ہوئی اور لوگون نے شہر کی کسی خوبصورت کنواری لڑکی کو چھانٹ کے بنایا چنایا۔ اور آبی دیوتا کی بھینٹ کے لیے دریا کنارے کسی چٹان مین باندھ کے بٹھا دیا۔ یہان تک کہ طغیانی شروع ہوئی۔ پانی اُس معصومہ کے کمر سے گھٹنون تک۔ گھٹنون سے

کمر تک۔ کمر سے سینے تک۔ سینے سے گلے تک۔ اور گلے سے سر تک پہونچ کے اُونچا ہو گیا
بیگناہ لڑکی چیختے چیختے ڈوب کے مرگئی۔ کسی نے خبر نہ لی۔ اور اُس کے مرچکنے
سب نو اطمینان ہوا کہ دیوتا نے نذرانہ قبول کر لیا۔ اب طغیانی اچھی ہو گی۔ بت پرستون
کی یہ سنت قدیم کئی صدیون تک عیسائیون کے ہاتھ سے انجام پاتی رہی تھی کہ حضرت
عمر فاروق کے عہد عدالت مہد مین مصر قلمرو اسلام مین شامل ہوا۔ صحبت یافتہ
رسولؐ فاتح دوالی عمروؓ بن عاص نے پہلے پہل جو مصر مین یہ رنگ دیکھا کہ نیل کی
طغیانی مین تاخیر ہوئی اور ایک بے گناہ کنواری جل دیوتا کی بھینٹ کے لیے چڑھائی
جا رہی ہے تو کھٹکے۔ اور دربار فاروقی مین اطلاع کی۔ حضرت فاروق اعظمؓ
یہ حال سنتے ہی خوف خدا سے کانپ گئے۔ فوراً اُس رسم بد کو رُکوایا۔ اور
دریاے نیل کے نام ایک خط یا یون کہیے کہ جل دیوتا کے پاس اپنا مراسلہ بھیجا
جس کا مفہوم یہ تھا کہ "اگر تیری طغیانی خدا کے حکم سے ہے تو اُسے ہونا چاہیے۔
اور اگر بغیر اِس کے ہے تو ہمین ضرورت نہین" یہ مراسلہ حسب ہدایت خلافت
دریا مین ڈال دیا گیا۔ اور بغیر اِس کے کہ ایک غریب لڑکی کی جان جائے زور
وشور سے طغیانی شروع ہو گئی۔ اور پھر اُس کے بعد کبھی اس رسم کا اعادہ نہین ہوا۔

بہرحال اِس طغیانی کی ملک کو اس درجہ ضرورت تھی اور لوگون کو اس کی
اس قدر فکر رہا کرتی تھی کہ قدیم الایام ہی مین فراعنہ کے زمانے مین اس قسم کے
مقیاس بنا کے دریا مین قائم کر دیے گئے تھے جن سے اندازہ ہو جایا کرتا کہ پانی
کس درجے تک بڑھا۔ اور جتنا بڑھا ہے وہ ملک کی زراعت کے لیے کس حد تک
کافی ہے۔ غرض دنیا مین سب سے پہلا پیمانۂ طغیانی مصر مین اور دریاے نیل کے
اندر قائم کیا گیا۔ مورخین عرب کا بیان ہے کہ نیل کی طغیانی کا پیمانہ پہلے پہل حضرت یوسف علیہ السلام
نے اپنے زمانۂ وزارت مین بنوایا تھا۔ جو شہر منف مین تھا۔ اس کے بعد دلوکہ عجوزہ نے جو حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے زمانے والے فرعون کے غرق ہونے کے بعد فرمان رواے مصر ہو گئی
تھی دو مقیاس بنوائے۔ ایک مقام انصنا مین۔ اور دوسرا شہر اخمیم مین۔ اس کے
بعد قبطیون نے ایک اور مقیاس قصر شمع مین دیر نبات کے کھنڈرون کے متصل بنایا
تھا۔ جس کے آثار تین سو برس پیشتر تک باقی تھے۔ اور شاید اب بھی نظر آسکین۔

اس کے بعد زمانۂ اسلام میں خلفائے متقدمین کو نیل کے مقیاس کے قائم رکھنے کی فکر رہا کرتی تھی۔ سب سے پہلے اُموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ایک مقیاس بنوایا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے ایک چھوٹا سا مقیاس شہر حلوان میں قائم کیا تھا۔ اس کے بعد ہارون رشید عباسی نے ایک مقیاس مقام سروان میں بنایا۔ پھر حاکم مصر احمد بن طولون نے شہر فسطاط میں ایک مقیاس قائم کرایا۔

مگر ابن طولون سے پہلے خلیفہ متوکل علی اللہ عباسی نے یہ سن کے کہ مصر کے پُرانے مقیاس خراب اور بیکار ہو گئے ہیں اپنے والی یزید بن عبداللہ کے نام فرمان بھیجا کہ خاص فسطاط میں جو دریائے نیل کے دہانے کے قریب ہے ایک نیا مضبوط مقیاس قائم کرے۔ اور پرانے بگڑے ہوئے مقیاسوں کو مٹا دے تاکہ لوگوں کو دھوکا نہ ہو۔ یزید مذکور نے سنہ ۲۴۷ھ میں بڑے اہتمام سے ایک نیا اور نہایت پائدار مقیاس تعمیر کرایا جو غالباً آج تک موجود ہے۔

اس مقیاس کی تعمیر میں جو اہتمام کیا گیا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس مقام پر اِس کی بنیاد پڑی ہے وہاں دو ہزار کشتیاں پتھروں کو لیجا کے ڈالنے پر لوٹ لیں تو بنیاد قائم اور مضبوط ہوئی۔ اس کی عمارت کی وضع یہ تھی کہ دریا کے اندر پختہ دیواروں سے ایک مربع حوض بنایا گیا۔ جس میں نالیوں اور جھجھریوں سے پانی آتا تھا اُس کے درمیان میں سفید براق سنگ مرمر کی ایک بڑی بھاری لاٹ قائم کی گئی۔ اس لاٹ میں ایک ایک انگل کے فصلہ سے خط کھینچے گئے۔ جو قیراط کہلاتے۔ اور بہت سے قیراطوں کا ایک گز قرار دیا گیا۔ مگر نیچے کے بارہ گز اٹھائیس قیراط کے قرار دیے گئے۔ پھر اُس کے اوپر کے گز چوبیس چوبیس قیراط کے رکھے گئے۔ اس مقیاس کے حساب سے پوری غیر مضر طغیانی کا درجہ سترھواں گز تھا۔ اُس سے کم طغیانی ہوتی تو ناکافی ہوتی۔ اور اُس سے زیادہ بڑھتی تو ملک کو سیلاب سے نقصان پہونچ جاتا۔

مصر میں یہ مقیاس اس قدر اہم چیز تصور کیے جاتے تھے کہ سلطنت کی جانب سے ہمیشہ اِن کا ایک مستقل مہتمم رہا کرتا جس کا فرض تھا کہ اُن کو درست رکھے۔ اور اُن میں دیکھ دیکھ کر برابر رپورٹ کیا کرے کہ طغیانی کس درجہ تک پہونچی۔ یا پانی کتنا چڑھا اور اترا مگر خلفائے سلف کے دور میں مدت دراز تک یہ خدمت مسیحی منتظموں ہی کے سپرد رہی

یا تو یہ سمجھا جاتا کہ وہی اس کام کے جاننے والے ہیں اور اس کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ محض مذہبی تعصب کی بنا پر یہ خدمت عیسائیون سے لے لی جائے۔ مگر متوکل کے عہد مین اُس کے حکم سے جب یزید بن عبداللہ نے نیا مقیاس تعمیر کرایا تو مسیحی منتظم کو موقوف کر کے جامع عمرو بن عاص کے منتظم و امام شیخ عبداللہ بن عبدالسلام بن ابی الرداد کو مقیاس کا منتظم مقرر کر دیا۔ یہ بزرگ بڑے عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔

اس خدمت کے لیے آج کل ایک مسجد کا امام موزون نہ نظر آتا ہوگا۔ مگر اصل یہ ہے کہ وقت کی نگہداشت اُن دنون مسجد کے اامون ہی سے متعلق تھی۔ مسجد دن مین اوقات پنجگانہ کی تحقیق کے لیے دائرۂ ہندیہ ہیأت کے قواعد سے بنایا جاتا۔ اور اس سے دھوپ گھڑی کا کام لیا جاتا۔ ان دھوپ گھڑیون کو مسجد کے امام ہی خوب سمجھتے اور بنوتے اور اسی مناسبت سے غالبًا دریاے نیل کے مقیاس کی نگرانی بھی شہر کی سب سے بڑی مسجد کے امام کے سپرد کی گئی۔ اگر آج کل کا کوئی امام مسجد ہوتا تو واقعی اس خدمت کے قابل نہ ہوتا۔ مگر شیخ عبداللہ بن عبدالسلام نے اس کام کو ایسی خوبی سے انجام دیا کہ اُن کے بعد بھی اُن کے فرزندون کے سپرد کیا گیا۔ اور علامہ محمد عبدالمعطی بن ابی الفتح اسحاقی اپنی کتاب "اخبار الاول" مین فرماتے ہین کہ "اُن کے زمانے تک مقیاس نیل کے منتظم اُنھین شیخ عبداللہ اسحاقی کی نسل کے لوگ تھے"۔

لیکن ساتھ ہی علامۂ موصوف یہ بھی فرماتے ہین کہ اب ملک کی حالت مین انقلاب ہو گیا۔ بعض زمینین بلند ہو گئین۔ نالیان جا بجا سے اٹ گئین۔ پلون کا انتظام بگڑ گیا۔ جن خرابیون سے پُرانا مقیاس بھی چھوٹا پڑ گیا۔ یا تو ۱۶ گز تک کی طغیانی مین سارا ملک سیراب ہو جاتا تھا۔ یا اب اُسی مقیاس مین جب تک طغیانی ۲۰ گز کو نہ پہونچے پیداوار اچھی نہین ہوتی۔

یقین ہے کہ اب دولت برطانیہ اِن سب باتون کی اصلاح کرے گی۔ کیونکہ یہ کام اب پُرانے منتظمون کی گرفت سے باہر ہو گیا کہ آج کا سائنس اور موجودہ علم ریاضی ایسے اعلیٰ درجہ کمال کو پہونچ گیا ہے کہ پُرانی چیزین تقویم پارینہ ہوتی جاتی ہین لہذا اُمید ہے کہ اب آج کل مغربی باکمالون کے ہاتھ سے جو کام انجام پائے گا سب بڑھا چڑھا ہوگا۔

ریویو

حیات بعد الموت - انگلستان کی نامور مصنفہ فلارنس مریٹ نے "دی ہاز نو ڈیتھ" نام ایک کتاب لکھی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ "فانی کوئی نہیں" اس سرمدی زندگی بخشنے والی کتاب کو منشی اختر محمد خان صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر شاہجہان پور نے فصیح و بلیغ اردو مین ترجمہ کرکے اپنے ہم وطنون کے لیے آب حیات کی سبیلین کھول دی ہے جیسی اعلی درجہ کی کتاب ہے ویسا ہی اچھا ترجمہ ہوا ہے - اور تعلیم یافتہ جماعت کے پڑھنے کے قابل ہے - بلکہ سچ یہ ہے کہ اسے ہر روشن خیال شخص کے کتب خانہ مین موجود رہنا چاہیے - ۱۸+۲۲ پیمانے کے ۵۷۰ صفحون پر ختم ہوئی ہے - کاغذ چھپائی اور لکھائی سب اعلی درجہ کی ہے - قیمت اتنی بڑی ضخامت اور ایسی چھپائی پر کچھ نہین صرف ایک روپیہ عہ درخواستین جلدی آئین ورنہ دوسرے اڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا - منیجر صاحب مہذب بک ایجنسی "وکٹوریہ بزن بیگ خان لکھنؤ" کے پتہ پر لکھ کے منگوا لی جائے -

مجموعہ رسائل نور - یہ جان و دل کو روشن و منور کرنے والی کتاب نواب سید انوار الحسن خان عرف نور میان کے بہت سے رسالہائے تصوف کا مجموعہ ہے - ہر رسالہ بجائے خود ایک روحانی لکچر ہے - ان رسالون کو حضرت مولانا سید شاہ فضل الرحمن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے مکتوبات و ملفوظات کا بے بہا ذخیرہ کہا جائے تو زیبا ہے - در اصل یہ مجموعہ تصوف کی ایک اعلی درجہ کی کتاب ہے جس مین معرفت و طریقت کے ایسے اعلی درجے کے لطائف رموز اور نکات کھولے اور بتائے گئے ہین جو انسان کے ولی کامل بنا دینے کے لیے کافی ہین - کاغذ چھپائی لکھائی بہت ہی اعلی درجہ کی ہے جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ منشی رحمت اللہ رعد صاحب نامی پریس کانپور کی خوبیون کا اعلی ترین نمونہ ہے - یہ مجموعہ ۲۰+۲۶ پیمانے کے ۳۰۰ صفحون پر ختم ہوا ہے - اور قیمت بہت ہی سستی ہے - یعنی چکنے ولایتی کاغذ والی کی دو روپیہ عہ اور ہندوستانی ملون کے نفیس گندہ کاغذ والی کی سوا روپیہ عہ - "مہذب بک ایجنسی" کے منیجر سے وکٹوریہ بزن بیگ خان - لکھنؤ" کے پتہ پر خط بھیج کے منگوالی جائے -

غدر شکوہ - "شکوہ" نام ایک بے مثل و مقبول عام نظم حضرت اقبال نے لکھی تھی اس کے جواب مین یہ ۱۳۱ بند دن کا مسدس پنجاب کے طریقت مآب شاعر پیرزادہ حاجی عبد العزیز صاحب عزیز مخدومی امرتسری نے لکھا ہے جس مین ثابت کیا گیا ہے

کہ شکوہ بیجا ہے۔ مسلمان اپنی سیہ کاریون اور بد باطنیون سے تائید ایزدی کے اہل نہین رہے اور جب رحمت کے سزاوار ہی نہین تو شکوہ کس مُنہ سے؟ نظم اچھی اور موثر ہے۔ خدا مسلمانون کو اُس کے دیکھنے کی اور اُس سے سبق لینے کی توفیق دے۔ قیمت فی نسخہ ۱؍ منشی عبدالحق صاحب خادم سلسلۂ نعمانیہ سے "مسجد قاصدان۔ امرتسر" کے پتے پر درخواست بھیج کے منگوائی جائے۔

نامی جنتری ۱۹۱۶ء۔ منشی رحمت اللہ صاحب رعد کا یہ قیمتی ہدیہ جو ہر سال ملک کے سامنے پیش ہوا کرتا ہے تیار ہو گیا۔ اعلیٰ مینردن اور ممتاز فوٹو ن کو اس جنتری کے خوبصورت زیورسے فوراً آراستہ ہو جانا چاہیے۔ افسوس کہ اِس سال منشی صاحب نے اپنی قدیم وضع کے خلاف تاریخ نہین دی۔ آیندہ اِس کا لحاظ رکھین۔ ہم اُن کے قدیم خادم ہین اور اگر ضرورت ہو تو اِس بارۂ خاص مین مدد دینے کو ہم بھی موجود ہین۔ قیمت اعلیٰ درجہ کی مطلا و مینا کار جنتری کی ایک روپیہ (عہ)

وقت آگیا!

کہ ہمارے مخدوم و مکرم فرما دلگداز کی اعانت و مربی گری کا خیال تازہ کرین۔ اب پرچہ پابندی سے وقت پر نکل رہا ہے۔ عمدہ چھپتا ہے۔ مضامین بھی اچھوتے اور تاریخی ہوتے ہین۔ اس لیے التماس ہے کہ جن احباب نے بڑے بڑے لمبے چوڑے وعدے مدد و خریدار دینے کے فرمائے ہین اپنے وعدون کو یاد فرمائین۔ اس کا اطمینان رکھین کہ اب دلگداز ماہ بماہ وقت پر نکلا کرے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ دلگداز آغاز سال ہی سے جاری کیا جاتا ہے۔ سال بھر مین کسی وقت اور کسی مہینے مین درخواست آئے پرچہ جنوری ہی سے جاری کیا جاتا ہے۔ لہذا کوئی دشوار بات نہین ہے اگر ہمارے مہربان فرما اپنا قومی و وطنی فرض خیال کر کے ایک نیا خریدار پیدا کر دین۔ اِس کا اطمینان رکھیے کہ آپ نے کوشش کی تو ناکام نہ رہین گے۔

خاکسار۔ ایڈیٹر دلگداز

گداز
ادبی و تاریخی رسالہ
عبدالحلیم صاحب شرر
ایڈیٹر
صاحب
سراج الحق عفا اللہ عنہ

دیوتا بن جاتے۔ ایسے نامور دوست کے حالات نہ لکھے جاتے تو بڑا ظلم تھا۔ اور درا صل گھڑی گھڑی کی جدت طرازیون کی وجہ سے جو لطف اور مزہ اُنکی لائف مین ہے کسی لائف مین نہین ہو سکتا۔

حاجی صاحب اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ۔ پکے مسلمان۔ سچے دیندار۔ پاک باطن دستو دہ کردار خلیق و متواضع۔ فیاض و ہمدرد۔ اور پُرجوش ہی خواہ قوم واقع ہوئے ہین۔ اِن تمام صفات نے اُن کے اخلاق مین ایسی دلکشی پیدا کر دی ہے کہ جو دیکھتا ہے آنکھین بچھانے لگتا ہے۔ مگر دو ہی چار روز کے اندر جہان اُن کی طبیعت مین روانی آئی پھر اُن کا روکنا ہوا کا مٹھی مین تھامنا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ وہ کہین اور جا پہونچتے ہین اور اُن کا شیدا ہاتھ مل کے رہ جاتا ہے۔

ہمدردی قوم نے اُنھین دنیا کا سب سے بڑا انجمن باز بنا دیا ہے اور انقلاب پسندی نے ایک جنرل امیدوار "جو سب سے زیدہ کامیاب ہو۔ کوئی نوکری ہو اُس کے اختیار کرنے کو وہ ہر وقت تیار ہین۔ اور کمال یہ کہ اگر کسی انجمن اور کمیٹی مین ملیے تو اُن کی پُرشکن پیشانی آتش بار آنکھون۔ غضب ناک لہجے اور شعلہ فگن الفاظ سے شان جلالی ہویدا ہوتی ہے۔ اور حشیم وابرو بقول مصنف اندر سبھا امانت مرحوم کے کہتے ہوتے ہین ع "شعلہ ہون بھبھوکا ہون غضب ہے وہ اغصہ" لیکن چند ہی منٹ بعد کسی پرائیوٹ صحبت اور خلوت کی جلوت مین دیکھیے تو اتنے بڑے منکسر المزاج بُرد بار۔ ایسے سچے جان نثار اور ملنسار اور شان جمالی کی ایسی جادو بھری تصویر نظر آئین گے کہ جواب نہ ہوگا۔ حاجی صاحب ... مقامون اور شہرون مین رہے ہین اور جہان چار روز بھی رہے ... کو اُبھار کے کوئی نہ کوئی انجمن ضرور قائم کر دی۔

گذشتہ تیس پینتیس برس مین جتنی کانفرنسین۔ کانگریسین۔ اور کمیٹیاں ہوئی ہین قریب قریب سب مین ہمارے حاجی صاحب شریک ہوئے۔ اور جب حریف کی قوت غالب آگئی تو سوا اِس کے کہ معزز قسم کی ریٹریٹ اختیار کی ہو کبھی سرنڈر نہین ہوئے۔ پسپائی اختیار کر لی مگر ہتھیار نہ رکھے۔

حاجی صاحب کا وطن مالوف یا آپ کے دائرۂ تغیرات کا مرکز بریلی کا

مردم خیز خطہ ہے۔ آپ کے والد بزرگوار مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب بدایون کے ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی تھے۔ غالباً حدود ۱۸۵۴ء مین حاجی صاحب پیدا ہوئے۔ اس لیے کہ ۱۸۷۴ء مین جب بریلی کالج چھوڑا ہے تو بیس سال کی عمر تھی۔ تعلیم پہلے بریلی کے اسکول مین پائی پھر وہان کے کالج مین آئے۔ اور وہین کے بورڈنگ ہاؤس مین قیام اختیار کیا۔ بورڈنگ مین اور بھی دس بارہ مسلمان لڑکے تھے جن کو ملا کے اور دوست بنا کے ہمارے دوست نے طلبہ کی ایک انجمن قائم کی۔ اُس انجمن مین پہلی شان جلالی آپ سے یہ ظاہر ہوئی کہ آیا ریزولیوشن پاس کرا دیا کہ جمعہ کے دن نماز کے لیے چھٹی ملنے کی پرنسپل سے درخواست کی جائے۔ مسٹر ٹمپلٹن پرنسپل نے اُس درخواست کے قبول کرنے سے قطعی انکار کیا۔ اُس پر آپ نے سب لڑکون مین ایسا جوش پیدا کر دیا کہ کالج کے لڑکے نماز جمعہ کے وقت خود ہی کلاس سے اُٹھ کے چلے آئے۔ اور اسکول کے بہت سے چھوٹے مسلمان لڑکون کو بھی لگا دیا جنھون نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جمعہ کے دن جو مسلمان لڑکا کلاس مین چلا جاتا اُس کی خوب مرمت کرتے۔ اور ڈھیلے مار مار کے اسکول چھوڑنے پر مجبور کر دیتے۔ لڑکون کی یہ سرکشی دیکھ کے مسٹر ٹمپلٹن کو بڑا غصہ آیا۔ اور سختیان کرنے لگے۔ تب آپ نے ایک عرضی ڈائرکٹر صاحب کے پاس بھیج دی اور اسکول و کالج کی مضطربانہ حالت لکھی۔ وہ گھبرا کے خود دوڑے آئے۔ مقدمہ کی تحقیقات کی مسٹر ٹمپلٹن کو سختی سے روکا۔ لڑکون کا قصور معاف کیا۔ اور تمام اضلاع ممالک متحدہ مین حکم بھیجا کہ ہر جمعہ کو ایک بجے سے دو بجے تک کُل کالجون اور اسکولون مین مسلمان لڑکون کو نماز کے لیے چھٹی دیدی جایا کرے"۔ اسی طریقہ سے آپ اپنے اُس پہلے معرکہ مین کامیاب ہوئے۔ اور سارے ممالک متحدہ مین آپ کی یہ پہلی برکت نمودار ہوئی جس کی جتنی قدر کیجائے کم ہے۔

۱۸۷۴ء مین آپ نے کالج چھوڑا تھا ۱۸۷۵ء کے آغاز ہی مین مارہرہ ضلع ایٹہ کے ایک امدادی مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوگئے۔ اِس کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ گورنمنٹ نے اُس مدرسہ کی امداد بند کر دی۔ اور وہ ٹوٹ گیا۔ ہمارے دوست کی عام انگریزی دانون کے خلاف یہ حالت تھی کہ مسلمانون کی وضع ولباس

مین رہتے۔ مسجدون اور خانقاہون مین آمد و رفت رکھتے۔ مساجد مین جا جا کے اذانین دیتے۔ اور جوش دینداری سے سید شاہ آل رسول صاحب مارہروی کی خدمت مین اکثر آیا جایا کرتے۔ اُن کے حالات و اوقات اور مشاغل کو دیکھا تو عقیدت پیدا ہوئی۔ اور اُن کے مرید ہو گئے۔ وہ انگریزی تعلیم کے رواج کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگ انگریزی دانون کو بُرا سمجھتے تھے۔ اور اُن سے ملنا جلنا کم پسند کرتے۔ ہمارے دوست مولوی ریاض الدین صاحب نے اپنے اخلاق و عادات سے انگریزی دانی کا ایک ایسا مقبول عام نمونہ پیش کیا کہ لوگون کو انگریزی کی طرف سے جو وحشت و نفرت تھی کم ہونے لگی اور اکثر امرا و شرفا آمادہ ہو گئے کہ اپنے لڑکون کو بھی اسی نمونے پر انگریزی کی تعلیم دین۔

مگر مارہرے کی ماسٹری۔ ارادت۔ اور تمام باتون کا خاتمہ ایک ہی سال کے اندر ہو گیا۔ ۱۸۷۶ء مین اُس صحبت کو چھوڑ کے میرٹھ پہونچے۔ اور جاتے ہی وہان کے گورنمنٹ ہائی اسکول کے تھرڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ مگر چار ہی پانچ مہینے مین دل اُچاٹ ہو گیا۔ اتفاقاً گورنمنٹ گزٹ کے کسی نمبر پر نظر پڑ گئی۔ اور اس مضمون کا اعلان دیکھا کہ جو لوگ ایف اے پاس ہون اُنھین فوجی رکروٹون کے مدارس مین جگہ دی جائے گی۔ اُن کا شمار فوجی لوگون مین ہو گا۔ اُنھین برابر فوجی گریڈ ملتے رہین گے اور ماہوار کے علاوہ اُنھین الاونس بھی دیا جائے گا۔ یہ اشتہار دیکھتے ہی درخواست بھیج دی۔ منظوری مین بھلا کیا دیر ہو سکتی تھی۔ ۹ فورٹین بنگال کیولری (رسالہ) مین ماسٹر مقرر ہو گئے۔ اور مردان کی چھاؤنی مین قیام ہوا۔ مگر [illegible] ہی اور تھی۔ عبا قبا اُتار کے وردی ڈانٹی۔ بندوق کندھے پر رکھی اور قواعد کرنے لگے۔ لیکن یہ فوجی زندگی اختیار کیے تین ہی مہینے ہوئے تھے کہ دل گھبرا یا ایڈجوٹنٹ سے جا کے کہا ہمارا ارادہ ہے کہ نوکری چھوڑ کے چلے جائین۔ اُس نے کہا "یہ فوج ہے کوئی اسکول نہین۔ آپ نے کیمپ سے اپنا قدم باہر نکالا اور کورٹ مارشل ہوا۔ تین سال کا معاہدہ ہے اس مدت کے اندر آپ کہین نہین جا سکتے" درحقیقت ہمارے دوست کے لیے یہ بڑی سخت مصیبت کا وقت تھا۔ جس پر تمام ناظرین کو اُن سے ہمدردی کرنی چاہیے۔ مارے باندھے کا سودا تھا۔

رسّیان تڑاتے تھے اور بیڑیان ٹوٹتی تھین۔ خدا خدا کر کے وہ قیامت کے تین سال جو تین قرنون کے برابر تھے ختم ہوئے۔ پارے کی بستہ گولی مین پھر حرکت پیدا ہوئی۔ یعنی آپ کو آزادی نصیب ہوئی۔

اس عذاب سے چھوٹتے ہی چرچ مشن ہائی اسکول بریلی مین سکنڈ ماسٹر ہوگئے۔ اس تعلق کو چھ ہی مہینے ہوئے تھے کہ کسی سے سُنا اُن کے ہم وطن دوست منشی رضا حسین صاحب ریاست جاؤرہ مین ہیڈ ماسٹر ہین۔ بے تکلف نوکری چھوڑ کے وہان پہونچے۔ اور منشی صاحب نے سکنڈ ماسٹر مقرر کر دیا۔ مگر پورا سال نہین گذرنے پایا تھا کہ جی گھبرا گیا۔ اتفاقاً اودھ اخبار مین دیکھا کہ منشی نولکشور صاحب کو اپنے اخبار کے لیے انگریزی اخبارات کا ترجمہ کرنے والون کی ضرورت ہے۔ چپکے ہی چپکے خط وکتابت سے طے کیا۔ اور یک بیک بغیر کسی سے ملے جلے جاورے سے جو اُڑتے ہین تو لکھنؤ مین آکے دم لیا۔ اور اسسٹنٹ ٹرنسلیٹر اودھ اخبار مقرر ہوگئے۔ اُن دنون ہمارے مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا شوکت اودھ اخبار کے ایڈیٹر تھے۔

مگر حاجی صاحب کا دل مترجمی سے چھ ہی مہینے مین اُکتا گیا۔ اور یکایک اودھ اخبار کا تعلق چھوڑ کے چرچ مشن اسکول لکھنؤ مین سکنڈ ماسٹری حاصل کرلی۔ اُن دنون آپ نے آغا میر کی ڈیوڑھی پر ایک انجمن قائم کی۔ اور ایک بہت ہی پرجوش جماعت اپنے ہم مذاق وہم خیال پیدا کرلی تھی کہ وحشت کا زور رہوا۔ چرچ مشن مین مشکل سے تین مہینے پڑھایا ہوگا کہ سُنا بانکی پور پٹنہ کے ایک دولتمند مسلمان مولوی فضل الرحمٰن صاحب رئیس ڈمری کو انگریزی کتابون کے ترجمہ کے لیے کسی مسلمان مترجم کی ضرورت ہے۔ خاموشی کے ساتھ طے کرلیا اور یک بیک احباب لکھنؤ سے کہا "تم رہو یار، ہم تو اپنے گھر چلے"

بانکی پور پہونچے۔ مولوی فضل الرحمٰن بہت اخلاق سے پیش آئے اور پندرہ بیس روز بعد اپنے علاقے ڈمری مین لے گئے۔ وہان اُن کے مکان کے پاس ایک تالاب تھا جس مین آب کشی کے لیے اُنھون نے ایک انجن لگا رکھا تھا۔ گھر پہونچ کے دیکھا کہ انجن بگڑا ہوا ہے۔ حاجی ریاض الدین صاحب سے کہا "مولانا! آپ ہی تکلیف کر کے کہین سے مستری بلا لائین" کہا "بہت خوب" اور مستری کی

تلاش مین نکلے۔ راستے مین اپنے دل مین کہا "اچھے رئیس ملے۔ بُلایا تو کتابون کا ترجمہ کرانے کو ہے اور کام یہ لیا جاتا ہے کہ مستری بلا لاؤ" یہ خیال آنا تھا کہ اسباب وہین چھوڑا۔ اور خیز جو کرتے ہین تو بمبئی مین تھے۔

بمبئی مین پہونچنے کی دیر تھی۔ نوکری تو ہمیشہ اُن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔ فوراً مدرسۂ انجمن اسلام ہائی اسکول کے فرسٹ اسسٹنٹ ماسٹر ہو گئے۔ اور مقامات کی بہ نسبت یہان دل ذرا زیادہ لگا کہ ایک سال تک ٹِکے رہے اور اُسی زمانۂ قیام مین آپ نے بمبئی سے اخبار "خیر خواہ اسلام" نکالا۔ اور ایک انجمن تہذیب قائم کی۔ اِن علمی کامون مین مصروف تھے کہ سُنا سکندرآباد دکن مین ایک محمڈن کالج ہے اور اُس کے لیے پرنسپل کی ضرورت ہے۔ درخواست بھیجدی۔ جواب آیا کہ آپ کا تقرر ہو گیا فوراً آئیے۔ سب چھوڑ چھاڑ کے سکندرآباد مین پہونچے مگر اپنا اخبار ساتھ لیتے گئے۔ جو ایک ٹریولنگ اخبار (سفری اخبار) کی شان سے مدتون آپ کی رفاقت کرتا رہا۔ سکندرآباد پہونچ کے اُس محمڈن کالج کو دیکھا تو اُس مین صرف مڈل کلاس تک ہی پڑھائی ہوتی تھی۔ یہ زمانہ سرسالار جنگ اول کا تھا۔ حیدرآباد کی سیر کے شوق مین دس گیارہ مہینے تک اُس کالج کی پرنسپلی نباہ دی۔ مگر اتنی مدت گذرنے کے بعد یکایک جو دل گھبرایا تو گھر کی سدھیان بھرین۔

اثنائے سفر مین کرڑے کے مولوی فریدالدین صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ اُنھون نے بیان کیا "مین نے کرڑے مین ایک مدرسہ جاری کیا ہے اُس کے لیے ایک ہیڈ ماسٹر کی ضرورت ہے" کہا "مین حاضر ہون" سلام اور باتون مین ایجاب وقبول ہو گیا۔ اور آپ اُن کے ساتھ کرڑے مین پہونچے۔ وہان جا کے کیا دیکھتے ہین کہ ایک یوریشین ہیڈ ماسٹر صاحب پہلے سے موجود ہین۔ اُن کو جواب نہ دیا گیا اور حاجی صاحب مقرر کر لیے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسکول مین "دو ہیڈ ماسٹرون کے اجلاس ہونے لگے۔ جن کے مقابلے اور اختلاف نے آیۂ کریمہ "لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا" کا سمان باندھ دیا۔ اور مولوی فریدالدین صاحب کو مروت نے ایسا مجبور بنا دیا تھا کہ دونون مین ایک کو بھی جواب دیتے نہ بنتی تھی۔ کئی مہینے تک

یہی رنگ رہا۔ آخر وہ یورپشین ہی اِس دو عملی کی برداشت نہ کرسکا۔ خود ہی نوکری چھوڑ کے چلا گیا۔ اور حاجی صاحب بلا شرکت غیرے کشتی مدرسہ کے ناخدا بنے۔ لیکن رقیب کے جانے کے چند ہی ماہ بعد آپ کا بھی دل اُچاٹ ہو گیا۔ گھر یاد آیا۔ اور چل کھڑے ہوئے۔

چند مہینے گھر مین رہے۔ اسی اثنا مین ایک بار علیگڈھ سے بریلی آتے ہوئے چندوسی مین اُتر پڑے۔ اُن دنون اودھ روہلکھنڈ ریلوے کے ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کا قیام چندوسی ہی مین رہتا تھا۔ اسٹیشن سے اُترتے ہی اُس کے پاس پہونچے۔ ملے۔ اور صورت دیکھتے ہی کہا "کیون صاحب مسلمانون کو قابیت ہونے پر بھی آپ کے محکمے مین کیون جگہ نہین ملتی؟ یہ آپ کا عتاب ہے یا گورنمنٹ کا؟" اُس نے کہا "ان باتون سے کیا حاصل؟ یہ بتائیے کہ کیا آپ نوکری چاہتے ہین؟" کہا "نہ چاہتے تو آتے کیون؟" اُس نے ہیڈ کلرک کے پاس رقعہ بھیجا کہ کوئی جگہ خالی ہو تو بتاؤ۔ آپ نے اُس سے کہا "بیکار ٹالنے اور میرا اور اپنا وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل ہے؟ چونکہ مین امیدوار ہون لہذا یہی جواب آئے گا کہ کوئی جگہ نہین ہے" اُس نے کہا "ذرا دم لیجیے۔ جب ایسا جواب آئے گا تب ہی کہیے گا" حُسن اتفاق سے اِن کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور یہی جواب آیا کہ "فی الحال کوئی جگہ خالی نہین ہے" اُس نے فوراً ایک نئی جگہ تصنیف کی اور اِن کو کلرک اسٹیشن ماسٹر بنا کے بریلی بھیجدیا۔ جہان پہونچ کے آپ نے فوراً کام کا چارج لے لیا۔ اُس کے بعد جمعہ کا دن جو آیا تو انھون نے یوروپین اسٹیشن ماسٹر بریلی سے چھٹی مانگی۔ وہ خوش مزاج اور نیک آدمی تھا۔ ہنس کے کہا "یہ مدرسہ یا اسکول نہین ہے۔ مین اتوار کو کام کرتا ہون تم جمعہ کو کام کرو" کہا "جناب یہ مذہبی معاملہ ہے مین ایسی نوکری نہین کرتا" اور اُسی وقت اپنے گھر کا راستہ لیا۔

ایک مہینے بعد ہائی اسکول پیلی بھیت کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ وہان پانچ ہی مہینے پڑھایا تھا کہ ایک سرکاری اشتہار نظر سے گزرا جس مین الہ آباد ہائی کورٹ کے لیے مترجم کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی آپ نے درخواست کی وہ منظور ہوئی۔ اور آپ الہ آباد پہونچے۔

اس تعلق کو پورا سال نہین ہوا تھا کہ سُنا کراچی مین آخوند حسن علی وکیل ٹرکش کانسل علیگڈھ کالج کے اصول پر ایک محمڈن کالج کھولنا چاہتے ہین۔ بے تکلف

کراچی مین جا دھملے - اور اُس نئے اسلامی مدرسے کے فرسٹ اسسٹنٹ ماسٹر مقرر ہو گئے - اب آپ کا وہ ٹریولنگ اخبار کراچی سے نکل رہا تھا - جس نے سال بھر وہان رو کا -

اِس اثنا مین سُنا کہ رنگون کے مدرسۂ اسلامیہ مین ایک ماسٹر کی ضرورت ہے - درخواست بھیجدی - اور وہان بلائے گئے - مگر ادھر قصد کرنے سے پہلے وطن مالوف مین آئے - اب آپ کے مرشد کا وصال ہو چکا تھا - اُن کے مزار پُرانوار پر فاتحہ پڑھنے کے شوق مین مارہرے کی راہ لی - سفر رنگون کے شوق مین وہان زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ نہ تھا - مگر دھوبی کو کپڑے دیے اور اُس کمبخت نے کپڑے لانے مین دیر لگائی - مجبوراً دو چار دن وہان قیام کرنا پڑا - اور پُرانے احباب سے ملے - ان کی صورت دیکھ کے مارہرے والون کو پھر تعلیم کا شوق ہوا - اور چندے سے ایک مدرسہ کھول ہی دیا - اب آپ کو رنگون کیون یاد آنے لگا تھا اُس کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے - مدرسہ فائز الدین حیدر کی کوٹھی مین کھولا گیا - اور بفضلہ تعالیٰ آج تک قائم ہے - ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب اُس کے بڑے مربی ہین - اور محمد امین صاحب ڈپٹی کلکٹر کی سعی و کوشش نے ریاست بھوپال سے پچاس روپیہ ماہوار مقرر کرا دیے ہین - لیکن اصل یہ مدرسہ ہماری حاجی صاحب کے مارہرے کے ایک پیسے کی یادگار ہے - (باقی آیندہ)

رستم تہمتن

اسفندیار یہ مہم بھی سر کرکے آگیا تو باپ کے بجائے خوشی کے صدمہ ہوا اور اُس کی طرف سے اور اوہام پیدا ہو گئے - مگر ملا کے اُس کی ہفتخوان اور مہم کے حالات پوچھے اور خوشی ظاہر کی مگر تاج و تخت دینے کا وعدہ نہین پورا کیا جبکہ اسفندیار کو سلطنت کی حد سے زیادہ ہوس تھی - مان سے جا کے شکایت کی کہ "دیکھیے اب بھی بادا جان اپنا وعدہ پورا نہین کرتے" اُس نے کہا "بیٹا چند روز صبر کرو - تمھارے سوا اور کون بادشاہ ہو سکتا ہے؟ تمھارے بادا بوڑھے ہو چکے ہین - چند روز کے اور مہمان ہین - پھر تم ہی تم ہو گے - اور یون بھی ساری فوج

تمام رعایا اور کل اُمرا بادشاہ سے زیادہ تمہارا پاس و لحاظ کرتے ہیں یہ تھوڑی جلدی کس بات کی ہے؟" مگر اسفندیار کے دل کو ان کی اس نصیحت سے تسلی نہ ہوئی اور آخر ایک دن شراب کے نشے میں گشتاسپ کے مُنہ پر کہہ ہی بیٹھا کہ "میں نے آپ کا ہر قول پورا کیا مگر آپ نے ہمیشہ بدعہدی کی" بوڑھے گشتاسپ نے بیٹے کے گستاخانہ الفاظ ہنس کے ٹال دیئے۔ مگر دل میں اُس کی طرف سے اور خائف ہو گیا پھر ایک دن نجومی کو تنہائی میں بلا کے کہا "ذرا اسفندیار کے طالع پر تو غور کرو اور دیکھو اس کی موت کے کیا اسباب ہونگے؟" نجومی نے خوب غور کر کے اور حساب لگا کے بتایا کہ "اسفندیار پر دُنیا کی کوئی قوت غالب نہیں آ سکتی جس سے لڑے گا اُسے قتل کر ڈالے گا۔ سوا رستم کے جس کے ہاتھ سے خود اسفندیار کی موت ثابت ہوتی ہے" گشتاسپ کے اطمینان کے لیے یہ بہت کافی تھا۔ دوسرے ہی دن ایک شاندار دربار کیا اسفندیار کو بلا کے نہایت عزت سے اپنے برابر تخت فرمانروائی پر بٹھایا۔ اُس کی شجاعت و تحمندی کی سردربار تعریف کی اور جب اُس کی تائید میں سارا دربار واہ واہ کے نعروں سے گونج اُٹھا ایک ٹھنڈی سانس لے کے کہا "میں تاج و تخت کو اس جوان بخت فرزند کے سپرد کر کے گوشہ گزین ہو جاتا مگر دل میں ایک کانٹا ایسا باقی ہے کہ جب تک وہ نہ نکل لے گا عزلت گزینی میں مجھے چین نہ آئے گا۔ جب چین کا لشکر ہمارے علاقہ توکستان پر چڑھ کے آیا ہے اور خبر آئی کہ میرے والد شہنشاہ لہراسپ جنھیں وہاں کی رعایا نے گوشہ عبادت سے نکال کے حمایت وطن پر آمادہ کیا اُس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ہمارے خاندان کے تمام نامور شاہزادے نذر اجل ہو گئے اور ہماری بہنیں چینیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئیں تو میں نے بذات خود جا کے رستم سے التجا کی کہ ایسے نازک وقت پر میری مدد کرو۔ مگر ایسے سخت وقت بھی اُس نے میرے کہنے کی پروا نہ کی۔ آنے کا وعدہ کر کے نہ مقابلہ پر بھیجا۔ اور جب دشمنوں کے مقابلہ پر پہونچ کے میں نے اُسے دربارہ یاد دہانی کی تو زخیلے حوالے کر کے ٹال دیا۔ اور نہ آیا نتیجہ یہ ہوا کہ خود مجھے بھی فاش شکست ہوئی۔ اور سارے لشکر کے ساتھ قریب تھا کہ ہمارے خاندان

شاہی کا بھی خاتمہ ہوگیا- اسفندیار اگر تو بہادر ہے اور کچھ خاندان کی غیرت رکھتا ہے تو جاکے اُسے سزا دے- تو اُسے قتل کرے یا میرے سامنے باندھ کے لائے تو میرا دل ٹھنڈا ہو۔"

اسفندیار نے باپ کی بدعہدی کی شکایت کی- اپنے کارنامے اور اُس کے بار بار کے وعدے یاد دلائے اور کہا میں رستم کو بھی گرفتار کرکے لاؤن گا- مگر پہلے آپ مجھے تاج وتخت دیدین" گشتاسپ نے کہا "مین اُسی وقت سلطنت دون گا جب رستم کو پکڑ لاؤ گے" اِس پر اسفندیار بگڑ کے دربار سے چلا گیا- اور گشتاسپ کو اُس کی ناراضی سے اندیشہ ہوا- مگر معلوم ہوا کہ اسفندیار نے اگرچہ حامی نہین بھری تھی- مگر رستم کے مقابلے پر جانے کی تیاریان کر رہا ہے-

اسفندیار کو رستم کے مقابلے پر جانے سے اُسکی ماں اور مختلف صاحبون نے ہزار روکا مگر ایک نہ سُنی- اور ایک زبردست لشکر کے ساتھ سیستان ہو پہنچا- خود رستم کے شہر سے ذرا فاصلہ پر پڑاؤ ڈال دیا- اور اپنے بیٹے بہمن کو بھیجا کہ رستم کو بُلا لائے- بہمن گیا تو رستم وزال نے اُس کی بڑی عزت کی- اپنا شاہزادہ تسلیم کرکے اُس کے آگے سر جھکایا- اور زال کے مشورے کے مطابق رستم بے تکلف اسفندیار کے پاس چلا گیا- اسفندیار اپنے پڑاؤ سے تھوڑی دور آکے اُس سے ملا- اور جب رستم کو اپنے آگے قدمبوس ہوتے دیکھا تو گھوڑے سے اُتر کے اُسے گلے لگا لیا- اور تعظیم وتکریم کے ساتھ اپنے خیمے مین لے گیا- پھر بہت سی اِدھر اُدھر کی باتون کے بعد کہا "شہنشاہ گشتاسپ کا حکم ہے کہ مین آپ کو قید کرکے پابزنجیر اُن کے دربار مین حاضر کرون- لیکن آپ کی اِس محبت وفرمان برداری نے مجھے آپ کا ایسا گرویدہ کر دیا ہے کہ بادشاہ کے اِس حکم کو تو نہین ٹال سکتا مگر وعدہ کرتا ہون کہ براے نام قیدیون کی طرح لے چلون گا- اور قصور معاف کراکے دوسرے ہی دن آزاد کردون گا۔"

رستم نے کہا "آپ میرے گھر مین قدم رنجہ فرماکے پہلے میری دعوت قبول کرین پھر جس طرح کہیے گا آپ کے ساتھ چلا چلون گا" اسفندیار نے کہا "اس مین میری سُبکی ہوگی- اور والد کہین گے کہ آپ کو مین نے خوشامد کرکے آنے پر آمادہ کیا-

اور مین یہ کرتا بھی مگر آپ سے کمزور نہین ہون۔ یہ میرے اختیار مین ہے کہ جب چاہون آپ کو اسیر کر لون"

یہ کلمات سُن کے بھلا رستم کو کب تاب آ سکتی تھی؟ جواب دیا "آپ ابھی بچے ہین۔ بہادرون کو دیکھا نہین ہے۔ دولت عجم میری رہین بار احسان ہے۔ مین نہ ہوتا تو آج تک یہ سلطنت بھی نہ ہوتی۔ مجھ سے بار ہا لوگون نے خواہش کی کہ خود تخت شاہی پر قبضہ کر لون۔ اور شہنشاہ ایران بن جاؤن۔ مگر مین نے خود ہی نہین منظور کیا" اسفندیار نے پھر اپنی بہادریان ظاہر کین اپنی ہفتخوان کی سرگزشت بیان کی۔ اور اپنے تمام کارنامے گنوائے۔ پھر رستم کے خاندان پر حملہ کیا اور زال کو ایک مجہول النسب کوڑھی کہا۔ رستم نے جواب مین اور تیزی دکھائی۔ اسفندیار کو اپنے آگے ایک طفل مکتب بتایا۔ اپنے آپ کو تاجداران عجم کا ہم نسب ظاہر کیا۔ اور کہا "معلوم ہوتا ہے گشتاسپ آپ کی جان کا دشمن ہے جو میرے مقابلے کو بھیجا ہے۔ مجھ سے لڑنے والا کبھی میرے ہاتھ سے زندہ بچ کے نہین گیا" اسفندیار نے پھر دُون کی لی۔ اور اُسی صحبت مین اپنا زور دکھانے کے لئے رستم کا ہاتھ پکڑ کے اس زور سے دبایا کہ اُسے تکلیف ہوئی۔ اور سمجھا کہ شاید اس سے رستم پر رعب پڑ جائے۔ مگر افراسیاب کا زیر کرنے والا رستم بھلا کیا خطرے مین لاتا؟ غرض دوسرے دن لڑائی کی ٹھن گئی۔ اور صبح کو مقابلے کا وعدہ کر کے رستم اپنے گھر آیا۔

زال کو یہ پسند نہ تھا۔ مگر وہ بھی مجبور ہو گیا۔ اور اس پیرانہ سالی مین رستم کا ایک رُوئین تن اور جوانمرد حریف کے مقابلے پر جانا سارے خاندان کو ناگوار تھا۔ مگر اِس کے سوا کوئی تدبیر ہی نہ تھی۔ صبح کو سامنا ہوتے ہی پہلے اسفندیار نے رستم سے عہد کیا کہ "ہم ہی تم سمجھ لین۔ فوج بیکار نہ کٹوائی جائے۔ پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ غیر معمولی لڑائی تھی۔ دونون حریف برابر کے نامور اور ایسے بنرد آزما تھے کہ دنیا اُن سے عاجز آ چکی تھی۔ تلوارین ٹوٹ گئین۔ نیزے بیکار ہو گئے۔ گرز ٹیڑھے ہو گئے۔ اور کشتی ہونے لگی۔ دونون نے جی توڑ توڑ کے زور لگایا۔ یہان تک کہ دونون کا دم پھول گیا۔ اور الگ کھڑے ہو کے ہانپنے لگے۔ دن آخر ہونے کو تھا کہ تیر و کمان کی لڑائی شروع ہو لی۔ اس مین رستم کا کچھ زور نہ چلا۔ اُس کے

تیر اسفندیار کے جسم پر کچھ اثر نہ کرتے اور اسفندیار کے تیر رستم کو چھید سے ڈالتے تھے - اب شام ہونے کو تھی اور رستم سر سے پاؤں تک زخمی اور خون میں نہایا ہوا تھا-

اِن کی لڑائی کے دوران مین یہ واقعہ پیش آیا کہ رستم کو زخمی ہوتے دیکھ کے لشکر سیستان کے بہادر جنھین دونون حریفون کے باہمی عہد و پیمان کی خبر نہ تھی ایرانیون پر چڑھ گئے - اور خونریزی ہونے لگی جس مین رستم کا ایک اسود شاگرد اِدھر سے مارا گیا اور ایرانیون مین سے خود اسفندیار کے دو بیٹے کام آئے جس کا اسفندیار کو بیحد صدمہ ہوا-

شام ہوتے دیکھ کے دونون حریف کل کا وعدہ کر کے اپنے اپنے لشکر مین گئے اور دونون دل مین حریف مقابل سے خائف اور زندگی سے مایوس تھے خصوصاً رستم کو تو قطعی یاس ہو گئی جو اس قابل ہی نہ تھا کہ صبح کو میدان مین آئے مگر اس نازک وقت مین زال کے بُلانے سے سیمرغ آپہونچا - اُس نے اپنے پرون کی معجز نمائی سے دم بھر مین رستم کے سب زخم اچھے کر دیے - پھر اُسے نیستان مین لے جا کے ایک دو شاخہ نیزا دیا - اور کہا" اسی کو ایک دو شاخہ تیر بنا کے کل ساتھ لیجا ؤ اُسے جسم بھر مین جس مقام پر خیال کر کے پھینکو گے وہین پیوست ہو جائے گا - تم اسفندیار کی آنکھ کا نشانہ باندھ کے پھینکنا - اس لیے کہ اُس کے جسم بھر مین آنکھین ہی بچ رہی ہین - اور وہین کی چوٹ اُس کی موت کا باعث ہو گی-

صبح کو جب رستم خوش خوش صحیح و سالم چست و چالاک میدان مین آیا تو اُسے دیکھ کے اسفندیار کو حیرت ہو گئی لیکن پروا نہ کی اور تیر افگنی شروع کر دی - رستم نے جوابا دو شاخہ تیر کمان مین رکھ کے مارا تو سیدھا جا کے اسفندیار کی دونون آنکھون مین پیوست ہو گیا - یہ تیر نہ تھا پیام مرگ تھا - اسفندیار نے زخمی ہوتے ہی کمال بیتابی سے گھوڑے کی زین پر سر رکھ دیا - اور اپنی بدقسمتی و موت پر رو دیا - پھر رستم سے کہا" اس مین آپ کا قصور نہین سب کیا دھرا میرے والد گشتاسپ کا ہے - اور میرے مرنے سے اُن کی تمنا بر آئی اب آپ سے مرتے وقت میری یہ التجا ہے کہ میرے بیٹے بہمن کو اپنے ساتھ

رکھ کے اُسے سپہگری کی تعلیم دیجیے۔ اور ایک زبردست پہلوان بنا دیجیے"
رستم نے وعدہ کیا۔ اور اسفندیار کی روح پرواز کر گئی۔ اُدھر لوگ اُس کا
تابوت لے کے ایران گئے۔ ادھر رستم بہمن کو ساتھ لے کے اپنے گھر آیا۔

رستم بہمن کو تعلیم دے ہی رہا تھا کہ ایک نیا واقعہ پیش آیا اُس کا ایک
سوتیلا بھائی تھا شغاد جو ایک کنیز کے بطن سے تھا کابل کے فرمان روا کی بیٹی سے
اُس کی شادی ہوئی تھی۔ جو رستم کا باج گزار تھا ایک دن شغاد نے اُس سے کہا
کہ میں رستم سے بہت جلا ہوا ہوں۔ اُسے اس کا خیال نہیں کہ میں اُس کا بھائی ہوں
مگر آپ سے باوجودیکہ میرے خسر ہیں خراج کی ایک کوڑی نہیں چھوڑتا" شاہ
کابل نے کہا "مگر رستم پر کس کا زور چل سکتا ہے؟ تم ناراض ہو تو اُس کا کیا بگاڑ
لوگے؟" شغاد بولا "ایک تدبیر ہے۔ میں روتا ہوا اُس کے پاس جا کے آپ کی
بدسلوکی کی شکایت کروں گا وہ آپ سے آپ دوڑ آئے گا کہ آپ کو سزا دے۔
آپ میرے بعد یہ کارروائی کر رکھیے کہ ایک شکارگاہ بنوائیے۔ اور اُس کے
راستے میں برابر برابر چھ سات گہرے گڑھے کھدوائیے اور اُن کے اندر بہت سے
تیز تیز تلواریں خنجر وغیرہ کھڑے کھڑے نصب کرا کے اوپر سے اُنھیں گھانس
ڈال کے چھپا دیجیے پھر میں آ کے سمجھ لوں گا۔

شاہ کابل نے یہی کیا۔ اور شغاد نے رستم کے پاس جا کے سسر کی شکایت
کے نشتر کون دیے اور رو رو کے آنکھیں سُجا لیں۔ رستم نے اُسے لپٹا کے
پیار کیا۔ تسلی دی۔ اور کہا "میں چل کے اُسے سزا دوں گا اور اُس کی جگہ تمھیں
کو کابل کا بادشاہ بنا دوں گا" یہ کہتے ہی سفر کی تیاریاں کر دیں۔ اپنے بھائی
زوارہ اور چند پہلوانوں کو ساتھ لے کے کابل پہونچا۔ اُس کے آنے کی خبر
سنتے ہی شاہ کابل زمیں بوس ہوا۔ اور جب رستم نے شغاد کی شکایت بیان کی
تو بولا "ہاں نشہ کے عالم میں دو ایک کلمے میری زبان سے نکل گئے تھے۔ جن پر
میں نہایت عاجزی سے معافی کا امیدوار ہوں" رستم کا غصہ تھما تو شاہ
کابل نے دعوت کی درخواست کی۔ اور ساتھ ہی لیجا کے بڑی دھوم سے دعوت
کی۔ اور دو ایک دن غافل رکھ کے ایک دن شغاد اُسے شکار کھلانے کو اُسی

نئی شکارگاہ مین لے گیا۔ اُن گڑھون کے پاس پہونچ کے رستم کا گھوڑا اُڑکا تو اُس نے چابک ماری۔ گھوڑے نے چک کے جست کی اور گڑھے کے اندر تھا۔ جہان بیسیون کاری حربے سوار اور راہوار دونون کے جسمون مین پیوست ہو گئے۔ یہ دیکھتے ہی گھوڑا زور کر کے اُچھلا۔ مگر ایک گڑھے سے نکلتے ہی دوسرے مین جا پہونچا۔ اسی طرح تابڑ توڑ سات گڑھون مین گرا۔ ہر ایک مین صدہا کاری زخم کھائے اور جست کر کے نکل آیا۔ مگر رستم کو زخم ایسے کاری لگ گئے تھے کہ جان بری کی کوئی امید نہ تھی۔ دیکھا تو شغاد کا چہرہ بشاش تھا۔ کہا "افسوس تیری مدد کے لیے مین یہان آیا اور تو ہی نے دغا بازی کی!" شغاد کو رستم کی موت کا یقین تو ہو ہی چکا تھا جواب دیا "رستم تیری یہی سزا تھی۔ اس لیے کہ تو نے دنیا مین بڑی خونریزی کی ہے"

مگر شاہ کابل نے کہا "مین چلیے نوشدارو پلا کے آپ کو ابھی اچھا کر دون"

رستم نے جوش کے ساتھ کہا "اپنی نوشدارو رہنے دے۔ مجھے ضرورت نہین۔ میرے مرنے کا وقت آگیا۔ دنیا مین کوئی ہمیشہ رہنے کو نہین آیا ہے۔ ان آنکھون نے دیکھتے ہی دیکھتے کیسے کیسے زبردست بادشاہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مین تو اورون کے اعتبار سے زیادہ جیا۔ اب مجھے زندگی کی آرزو نہین ہے۔ مگر ذرا میرے تیر و کمان اُٹھا دو کہ کسی درندے کو اپنے قریب نہ آنے دون" اس پر شغاد ہنسا اور تیر و کمان اُٹھا کے لا دیے۔ رستم نے فوراً تیر کو کمان مین رکھ کے اُس کا رخ شغاد کی طرف پھیرا تو وہ بھاگ کے ایک تناور درخت کی آڑ مین ہو گیا۔ رستم نے سارے جسم کا زور لگا کے ایک ایسا زبردست تیر مارا کہ درخت کو چھید کے شغاد کے سینہ مین ترازو ہو گیا۔ شغاد نے اُسی جگہ گر کے جان دیدی۔ اور رستم نے خوش ہو کے کہا "بس مین نے اپنا بدلہ لے لیا۔ اور اب بہت خوشی سے جان دونگا" یہ کہتے ہی اُس نے بھی دم توڑ دیا۔ اور سارے سیستان مین کہرام مچ گیا۔ رستم کے بھائی اور ہمراہیون کا بھی یہی انجام ہوا۔ صرف ایک شخص بھاگ کے سیستان پہونچا اور خبر کی۔ زال اور رستم کی مان نے سنتے ہی ماتم کرنا شروع کیا۔ اور ہر طرف ہلچل پڑ گئی۔ فرامرز بڑے غیظ و غضب کے ساتھ کابل پر چڑھ آیا۔ شاہ کابل مقابلہ کی کیا تاب لا سکتا تھا؟ بھاگ کے پہاڑون مین چھپ رہا۔ اور فرامرز نے جب کسی کو نہ پایا

تو اُس شکارگاہ مین گیا جہان رستم و زوارہ اور اُن کے ہمراہیون کی لاشین پڑی ہوئی تھین۔ مگر جا کے دیکھا تو سارے گوشت و پوست کو درندے اور مُردار خوار طیور کھا گئے تھے۔ فقط ہڈیون کے ڈھانچے باقی تھے جنھین تابوتون مین رکھ کے بڑے کرّ و فر کے ساتھ سیستان مین لائے۔ اور آغوش لحد کے سپرد کیا۔ اِن بیگور و کفن لاشون کو ٹھکانے لگانے کے بعد فرامرز نے کابل پر حملہ کیا۔ اور اس طرح یکایک جا پہونچا کہ شاہ کابل کو بھاگنے کا وقت نہ ملا۔ چنانچہ فرامرز نے اُسے پکڑ کے قتل کر ڈالا۔ اور سیستان کی حکومت اپنے ہاتھ مین لی۔

بہمن رستم کے مرتے ہی ایران واپس گیا اور دارا کے مرنے پر وارث تاج کیانی ہوا۔ اُس نے تخت پر قدم رکھتے ہی ارادہ کیا کہ اپنے باپ کے خون کا بدلہ رستم کے خاندان سے لے چنانچہ ایک زبردست لشکر لے کے سیستان پر چڑھ آیا۔ اور بوڑھے زال کو گرفتار کر لیا۔ فرامرز اُس کے مقابل صف آرا ہوا۔ اور بڑی سخت لڑائی ہوئی جس مین فرامرز کی قوت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اور قریب تھا کہ لشکر عجم کو شکست ہو کہ یکایک ایک آندھی آئی جس کا رخ فرامرز کے لشکر کی طرف تھا۔ دم بھر مین سارا سیستانی لشکر تباہ ہو گیا۔ رستم کے تمام اعزا و اقارب اور زابلستان کے نامی گرامی پہلوان مارے گئے۔ اور بہمن کو فتح حاصل ہوئی۔

فتح کے بعد بہمن کو زال کی التجاؤن اور اُس کے بڑھاپے پر ترس آیا۔ تاج بخشی کی اور [illegible] فرمان روا سے سیستان بنا کے واپس گیا۔ اس واقعہ نے رستم کے خاندان کو بالکل فنا کر دیا۔ اور چند روز بعد جب زال بھی مر گیا تو سام کی نسل کا کوئی شخص دنیا مین نہ تھا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

مرد ناچنے والون کا دوسرا گروہ بھانڈ ہین۔ اُن کے مجرے کی شان یہ ہے کہ ایک نوخیز و خوش رو لڑکا جس کے بال عورتون کی طرح لمبے ہوتے ہین رنگین اور زرق برق کپڑے پہن کے اور پاؤن مین گھونگرو باندھ کے ناچتا گاتا ہے۔ اُس کے ساتھ کا ساز نے مین ڈوبا ہوا اور دلون کو اُبھارنے والا ہوتا ہے۔ اُس کے ناچ

مین غیر معمولی جلت پھرت اور شوخی و چالاکی ہوتی ہے۔ اور اُس کا گانا بھی اسی رنگ اور مذاق کے مناسب ہوتا ہے۔ ساتھ بجانے والون کے علاوہ سات آٹھ یا اس سے زیادہ بھانڈ رہتے ہین۔ جو اُس کے ناچ گانے پر واہ واہ کے نعرے بلند کرتے متاثر ہو ہو کے تال دیتے۔ اور اکثر خلاف تہذیب بے اعتدالیون سے اُس کے حرکات و سکنات اور اُس کی اداؤن پر ہنسانے والے ریمارک کرتے رہتے ہین۔ اور جہان وہ لڑکا تھوڑی دیر گا چکا وہ سامنے آکے نقلین کرتے اور بذلہ سنجی و نقالی کا کمال دکھاتے ہین۔

لکھنؤ مین ان لوگون کے دو گروہ ہین۔ ایک کشمیری جو کشمیر سے آئے ہین۔ اور دوسرے خاص یہان کے جن کا پیشہ ابتدا ز کچھ اور تھا۔ مگر اب نقالی اُن کا خاص فن ہو گیا ہے۔ نقالی اور خصوصاً رقص و سرود کے ساتھ نقالی ہندوستان کا بہت ہی پُرانا فن تھا۔ جو راجہ بکرماجیت کے دربار مین یعنی حضرت مسیح سے بھی پہلے بہت ترقی پر تھا۔ مگر اُس وقت اُس مین اعلیٰ درجہ کے ڈراما دکھائے جاتے۔ اور سچ یہ ہے کہ وہ بہت ہی مہذب و شائستہ نقالی تھی۔ ہندوستان کی ادنیٰ قومون کی تقریبون مین آج تک معمول ہے کہ جب وہ لوگ خود ہی ناچتے گاتے ہین تو اُنھین کے ساتھ مضحک نقلین بھی کرتے ہین۔

مسلمانون کے زمانے مین دولت مغلیہ سے پہلے بھانڈون اور نقالون کا پتہ نہین لگتا۔ ممکن ہے کہ ہون اور اُس دور کے وقائع نگارون نے ان کو قابل لحاظ نہ خیال کیا ہو۔ مگر دولت مغلیہ کے زمانے مین بھانڈون نے خاص موقع ... تھی۔ اُن کا پتہ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد سے ملتا ہے جب اُمرا و سلاطین ... کو ملک گیری و ملک داری کی زحمتون سے چھٹی مل گئی تھی اور صرف درباد داری وعیش پرستی کو اپنا آبائی حق تصور کرنے لگے تھے۔ مگر در اصل ان بھانڈون نے یہان کی سوسائٹی مین عجیب عجیب کام کیے۔ یہی یہان کے نیشنل سٹائرسٹ تھے اور انھون نے قریب قریب وہی کام کیے جو انگلستان میں ایڈیسن اور اسٹیل نے کیے تھے۔ دہلی کا سب سے پہلا بھانڈ کریلا مشہور ہے۔ جو محمد شاہ کے عہد مین تھا۔ کسی بات پر ناراض ہو کے محمد شاہ نے حکم دیا کہ بھانڈون کو ہمارے ملک سے نکال دو۔ دوسرے دن بادشاہ کی سواری نکلی تو اوپر سے ڈھول بجنے اور بھانڈون کے گانے کی آواز آئی۔

تعجب سے سر اُٹھا کے دیکھا تو کربلا اور چند بھانڈ ایک کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے ڈھول بجا بجا کے گا رہے تھے۔ سواری رُکوا کے پوچھا "یہ کیا گستاخی ہے؟ اور ہمارے حکم کی تعمیل کیون نہ ہوئی۔ عرض کیا "قبلۂ عالم۔ ساری دنیا تو جہان پناہ کے زیرنگین ہے۔ ہمین تو بتائیں کہان؟ اس لیے عالم بالا کا ارادہ کیا۔ اور یہ پہلی منزل ہے۔" اس جواب پر بادشاہ اور جملہ مصاحبین ہنس پڑے۔ اور اُن کا قصور معاف کیا گیا۔

لکھنؤ مین آنے کے بعد ان لوگون کی کچھ ایسی قدر ہوئی کہ اِن طائفون کا اصلی مرکز لکھنؤ ہی قرار پا گیا۔ جہان تک مجھے معلوم ہے فی الحال دہلی مین بھانڈ نہین ہین اور ہون تو بہت ہی کم اور گمنام ہین۔ ہان بریلی مین پُرانے زمانے سے بھانڈون کے طائفے موجود ہین۔ اور اکثر لکھنؤ کے ڈوم ڈھاڑی بھی بریلی سے آئے ہین۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوانین روہیلکھنڈ بھی موسیقی اور ارباب نشاط کے قدر دان تھے۔ جن کی فیاضی سے بریلی و مراد آباد مین ان لوگون کا نشوونما اچھی طرح ہوا۔ اور وہان سے بھی صاحب کمال ڈھاڑی اور نقال لکھنؤ مین آگئے۔ اگرچہ اب اُن کا اصلی مرکز لکھنؤ ہی بنا ہوا ہے۔

اُن کے لطیفے۔ نوک جھوک کے فقرے اور نقالی کے عجیب غریب کمالات لکھنؤ مین مشہور ہین۔ نواب سعادت علی خان کے اشارے سے اُسوقت کے سب سے بڑے بانکے کے سامنے ایک بھانڈ نے جو چوٹ کرتا ہوا فقرہ کہا تھا اِس سے پہلے ہم اپنے ناظرین کو سُنا چکے ہین۔ اُسی زمانے کا ایک واقعہ بھی یادگار ہے کہ کسی رئیس نے انعام مین دوشالہ دیا۔ مگر وہ دوشالہ بوسیدہ اور پُرانا تھا۔ ایک نقال نے ہاتھ مین لے کے اُسے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اور اُس پر بہت ہی گہری نظرین جما دین۔ دوسرے نے پوچھا "دیکھتے کیا ہو؟" کہا "دیکھتا یہ ہون کہ اِس پر کچھ لکھا ہوا ہے" پوچھا "آخر کیا لکھا ہے؟" عینک نکال کے لگائی۔ اور اٹک اٹک کے بڑی مشکلون سے پڑھا "لا الہ الا اللہ" پوچھا "بس اتنا ہی؟ محمد رسول اللہ نہین لکھا؟" جواب دیا "محمد رسول اللہ کیسے لکھا ہو۔ یہ تو ہمارے حضرت سے پہلے کا ہے" لکھنؤ کے ایک نواب صاحب "گڑھیا والے نواب" مشہور تھے۔ اِس لیے کہ اُن کے مکان کے قریب ایک گڑھیا تھی۔ اُنھین کے وہان کسی تقریب مین محفل رقص و سرود تھی۔ ایک بھانڈ گھبرایا ہوا نکل کے سامنے آیا

تمام قصبات اور کل شہرون مین شادیون مین گانے والی میراثنین اور ڈھاڑین
مدت ہائے دراز سے ہوتی آئی ہین۔ جن کی وضع ڈفالیون کی طرح ہمیشہ مسلمان
رہی۔ مگر ڈومنیون نے لکھنؤ مین عجیب نمایان ترقی کی۔ ڈھولک کو چھوڑ کے
انھون نے ڈیریون اور رنڈیون کے طائفون کی طرح طبلہ سارنگی اور مجیرے
اختیار کر لیے۔ صرف گانے کی حد سے ترقی کر کے ناچنا شروع کیا۔ اور اسی پر
اکتفا نہ کی بلکہ بھانڈون کی طرح زنانی محفلون مین نقلین بھی کرنے لگین۔ شادی
کی تمام رسمون کا وہ سب سے بڑا عنصر بن گئین۔ اور دولتمندون کی بیگمون
کو ایسا گرویدہ کر لیا کہ کوئی محل اور کوئی ڈیوڑھی نہ تھی جس مین ڈومنیون کا
کوئی طائفہ نوکر نہ ہو۔ اُن مین سے اکثر گانے اور ناچنے مین بے مثل ہوتی تھین۔
اور ایسے نوک کے طائفے پائے تھے کہ زنانی محفلین مردانی محفلون سے زیادہ شاندار
اور حد درجہ کی دلکش و پُرلطف ہو گئین۔ خصوصاً محفلون مین اُن کی شوخیان اور
جدّت طرازیان اس درجہ دلفریب ہوتی تھین کہ مردون کو اکثر تمنا رہتی تھی کہ کسی طرح
ڈومنیون کا مجرا دیکھنے کا موقع ملے۔ اس لیے کہ ڈومنیان مردانی صحبتون
مین گانا ناچنا کسی طرح گوارا نہ کرتی تھین۔ اب بھی ڈومنیان کثرت سے موجود
ہین۔ اور اُسی شان و وضع پر ہین۔ مگر کمال اُٹھ گیا۔ جیسی جیسی نامی گلے دار اور
گلے باز ڈومنیان لکھنؤ مین گزر گئین ویسے گویّے بھی کہین نہ پیدا ہوئے ہون گے۔

مسلمان لڑکیون کا نصاب التعلیم

اس نصاب کی ترتیب و تکمیل مین کمیٹی دینیات تعلیم نسوان کی کوششین بہت
کچھ کامیاب ہو چکی ہین۔ اُردو کا قاعدہ۔ اور پہلی کتاب۔ اور دینیات کا پہلا۔
دوسرا اور تیسرا رسالہ چھپ کے تیار ہو گیا۔ ہم اس بارے مین مولوی شیخ عبدالحمید صاحب
آنریری سکریٹری صیغۂ تعلیم نسوان۔ اور محمد علیم صاحب انصاری معین کمیٹی نصاب
تعلیم نسوان کی مستعدی و محنت کے شکرگزار ہین کہ اُنھون نے ایک بہت بڑا
ضروری اور اہم کام اپنے ذمہ لیا۔ اور بڑی حد تک اُسے پورا کر لے گئے۔
اس نصاب کے بعض رسالون پر ہم پہلے بھی ریویو کر چکے ہین۔ مگر ریویو کا

اصلی وقت اب ہے - اس لیے کہ کمیٹی کے غور کر لینے اور مناسب ترمیم و اصلاح کے بعد اب یہ رسالے پبلک کے سامنے پیش کیے گئے ہین -

انجمن حمایت اسلام لاہور نے مدت سے اپنا ایک نصاب بنا رکھا ہے جو کسی اور قومی و دینی نصاب کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہر صوبے اور شہر مین اختیار کر لیا گیا تھا - عقائد اور مضامین کے اعتبار سے اُس مین ممکن ہے کہ زیادہ تغیر و تبدل کی ضرورت نہ ہو مگر اُس کی زبان مین جا بجا ایسی لغزشین اور غلطیان ہین کہ ہمارے یہان اکثر لوگ اُسے نہایت ہی ناگواری کے ساتھ اختیار کرتے ہین - اور یہ خطرہ اُن کے دل سے نہین نکلتا کہ اس نصاب کے پڑھانے سے ہماری لڑکیون کی زبان بگڑ جائے گی -

یہ عیب اِس نصاب مین بڑی خوبی کے ساتھ دُور کر دیا گیا ہے - زبان صحیح ہے - با محاورہ ہے - سادی ہے - اور پیاری ہے - بچون کے مذاق اور اُن کے فہم کے مناسب چھوٹے چھوٹے خوبصورت فقرے ہین - جو بہت سلجھے ہوئے ہین - اور مضمون کو بڑی صفائی و سادگی سے ادا کر دیتے ہین -

یہ کہنا تو صحیح نہین ہو سکتا کہ اس نصاب کو مرتب و منضبط کرنے والے اپنی کوشش کے انتہائی درجہ کو پہونچ گئے - مگر یہ نقش اولین بجاے خود اسقدر مکمل نظر آتا ہے کہ آئندہ کی کوششین یقیناً اِسے ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کا بے نظیر نصاب بنا دین گی -

قاعدے مین سرکاری مدارس کے نصاب کی پیروی مین کثرت سے تصویرین شامل کی گئی ہین - یہ مانا کہ بچّے تصویرون کو دیکھ کے خوش ہون گے اور اُن کی وجہ سے اُن کا زیادہ دل لگے گا - مگر مجھے اچھا نہین معلوم ہوتا کہ مسلمانون کا قومی نصاب مرتب کرنے مین اسلام کی اِس تہذیب کی طرف سے بالکل بے پروائی کیجائے کہ تصویرون کا بنانا اور رکھنا حرام ہے - بے شک ہم سب گنہگار ہین - اور بہت سے خلاف شرع کام مسلمانون سے سرزد ہوتے ہین - لیکن اِس پر بھی ہماری معصیت پسندی کو اس حد تک نہ پہونچ جانا چاہیے کہ ہمارے قومی کام اور ہماری دینی خدمتین اسلامی تہذیب اور دینی شان

کو بدل دین۔ اگر بچے تصویرون کو پسند کرتے ہین تو اُنھین اُس سے روکنا چاہیے نہ کہ ہم ہی اُن کے ایک ناجائز شوق کی پرورش کرین۔ تصویرون ہی پر منحصر نہین ہر ممنوع اور بُری چیز کی طرف نفس انسانی دوڑتا ہے مگر وہ روکا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ مجھے مسلمانون کے نصاب کی یہ شان اور اُس کے مرتب کرنے والون کی ایک خلاف شرع کام کے اختیار کرنے مین ایسی جرأت و بیباکی دیکھ کے مجھے بڑی تکلیف ہوئی۔

سب سے زیادہ نازک کام لڑکیون کا نصاب بنانے مین دینیات کے رسالون کا مرتب کرنا ہے۔ ہماری شرع اور فقہ کی کتابین اپنے آغاز ہی مین ایسے مسائل سے بھری ہوئی ہین جو باوجود نہایت ضروری ہونے کے حیا اور تہذیب کے دائرے سے باہر ہین۔ ہمارے یہان قدیم سے یہ مثل مشہور چلی آتی ہے کہ "شرع مین شرم نہین" مگر بچون اور بخصوص بچیون کو بچپن ہی مین ایسے مسائل بتانا جو اُن کی سمجھ سے بھی باہر ہین اور جن کی تعلیم مین اندیشہ ہے کہ وہی بے شرمی کی تعلیم کا ذریعہ نہ ہوجائین کسی طرح مناسب نہین معلوم ہوتا۔ مگر اس قسم کے مسائل ہمارے آداب دینی مین اسقدر رِل مِل گئے ہین کہ نہ اُنھین لکھتے بنتا ہے اور نہ چھوڑتے۔ ان رسالون کی ترتیب مین یہ دشواری بڑی خوبی سے دور کردی گئی ہے۔ اور اوّل سے آخر تک کوئی ایسا مسئلہ نہین ہے جس کی لڑکیون کو تعلیم دینے مین مرد اُستاد کو بھی حجاب آسکے۔

دینیات کے پہلے رسالے مین جو صرف چھوٹے چھوٹے دس صفحون کا ہے عقائد توحید و رسالت کی ابتدائی و ضروری تعلیمون کے بعد کلمے اور قرآن مجید کی چند صورتین ہین جو نماز کے لیے کافی ہوسکین۔ دوسرا رسالہ ۲۰ صفحون کا ہے۔ اُسمین مختصر طور پر ارکان اسلام۔ نمازون کے اوقات۔ شرائط نماز۔ وضو۔ غسل اور تیمم۔ کے طریقے اور نماز کی ترکیب بتائی گئی ہے۔ تیسرا رسالہ ۱۲۰ صفحون مین پورا ہوا ہے۔ اور اُس مین طہارت۔ نماز۔ روزے۔ زکوٰۃ۔ اور حج کے ضروری مسائل نہایت ہی عمدگی و وضاحت سے دلچسپ سادی عبارت مین بتائے گئے ہین تاکہ بچیان ضروری عقائد و عبادات سے بخوبی واقف ہوجائین۔

دینیات کا سلسلۂ نصاب بہت ہی اچھا ہے۔ اور بچیوں کے پڑھانے کے علاوہ اس قابل ہے کہ ہر پڑھی لکھی مسلمان عورت اُسے منگوا کے اپنے پاس رکھے۔ اور اوّل سے آخر تک پڑھ جائے۔

اِن رسالون کی تقطیع اور لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تمام مسلمان لڑکیون کے مدارس مین یہ نصاب جاری ہو جائیگا

رَحِمَ اللہ مَن ہدانی اِلیٰ عُیُوبِی

عرب کی یہ ایک مثل ہے جس کا مطلب یہ کہ "جو مجھے میرے عیب بتائے خدا اُس پر رحمت کرے" یہی مثل ہمارے قدیم کرم فرما مولنٰا مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ پر صادق آتی ہے ہم نے مضمون "ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ" مین غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر فرمانروایان اودھ کے حالات مین ہاتھیون اور درندون کی لڑائی کا تذکرہ کرتے وقت دعوی کیا تھا کہ "قدیم ہندوستان کی تاریخ مین درندون کے لڑانے کا ذکر کہین اور کبھی نہین سنا گیا تھا" مولانا شروانی نے ہمارے اس دعوی کی تغلیط فرمائی ہے۔ اور ایک کارڈ کے ذریعہ سے ہمین مطلع فرماتے ہین "تاریخ سے ثابت ہے کہ مغلیہ سلطنت مین ہاتھی قلعہ کے میدان مین لڑائے جاتے تھے۔ برنیر نے اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ عالمگیر کا اُس ہاتھی سے مقابلہ کرنا جو اپنے حریف ہاتھی سے لڑکر بھاگا تھا مشہور ہے۔"

بے شک یہ ہماری کمی نظر تھی۔ اور برنیر کے سفرنامے کو ہم نے نہین پڑھا تھا۔ اور اب اس کے تسلیم کر لینے مین ہمین کوئی عذر نہین ہو سکتا کہ دہلی مین ہاتھی لڑائے جاتے تھے۔ اور یہ مذاق لکھنؤ مین وہین سے آیا ہوگا۔ لیکن شاید درندون کا باہم لڑانا اور ہاتھی کا شیر۔ تیندوے اور گینڈے سے مقابلہ کرانا لکھنؤ ہی مین ثابت ہو سکے گا۔ ممکن ہے کہ یہ شوق ہندوستان کے کسی اور بادشاہ کو بھی ہوا ہو۔ مگر ہمین اس کی اطلاع نہین ہے۔

بہرحال ہم مولانا کے نہایت ہی شکر گذار ہین اور امید رکھتے ہین کہ وہ ہمیشہ یونہین ہمین ہماری غلطیون سے آگاہ کرتے رہین گے۔ مولانا ہی پر موقوف نہین ہندوستان

مین یہ مذاق پیدا ہونا چاہیئے کہ محقق و صاحب علم حضرات تحقیق و تدقیق مسائل خصوصاً تاریخی تفتیش مین قلم اُٹھانے والون کے مدد و معاون رہا کرین۔ ہم قدیم زبانی روایات یا بعض تحریری سندون سے فائدہ اُٹھا کے جو کچھ لکھتے ہین یقینی نہین ہو سکتا۔ اور ممکن ہو بہت سے حضرات کے علم مین ایسی باتین ہون جو ہماری جستجو اور ہمارے قیاسی فیصلون کے خلاف ہون۔ ایسے حضرات اگر بے توجہی کو چھوڑ کے ہمین متنبہ کرتے رہین تو ہمین اپنی تحریرون پر زیادہ بھروسا ہو جائے۔

نکتہ سنجان بزم سخن!

آپ یہ دیکھ کے نا آشنا خوش ہون گے کہ دلگداز اب استقلال سے نکل رہا ہو اور وقت پر نکلتا ہو۔ اب تو آپ کو یقین آگیا ہو گا کہ ہم ہمہ تن آپ کے ہو کے بیٹھے ہین اور زندگی آپ کی نذر کر دی ہو۔ دلگداز کی لکھائی چھپائی اور کاغذ کوئی چیز قابل اعتراض نہین مضامین بھی محققانہ نئی جستجوؤن سے مملو۔ اور دلچسپ و دلکش ہوتے ہین۔ اگرچہ آجکل ملک مین لڑائی کی خبرون کا شوق بہت بڑھ گیا ہو۔ مگر دلگداز نے اپنی وضع نہ چھوڑی۔ اپنی اُسی قدیم وضع کو نباہے جاتا ہو۔ اور سوا سال مین ایک آدھ مرتبہ دنیا کی عام حالت پر ایک معمولی نظر ڈال دینے کے وہ پروا بھی نہین کرتا کہ دنیا مین کیا ہو رہا ہے۔

دوستون نے بڑے بڑے وعدے کر رکھے تھے کہ اگر دلگداز وقت پر نکلا گیا۔ اور اُس کی اشاعت باقاعدگی کے ساتھ ہونے لگی تو اُسے بہت سے نئے قدردان اور خریدار دین گے۔ اور بعض احباب اپنے ان وعدون کو نباہ بھی رہے ہین۔ مگر سچ یہ ہو کہ باوجود اس انتظامی اصلاح اور پرچے کی حالت و صورت مین نمایان ترقیان ظاہر ہونے کے اشاعت روز بروز گھٹتی جاتی ہو۔ سال آیندہ کے آغاز مین دو ہزار سے زیادہ اشاعت تھی اور اب ایک ہزار رہ گئی۔

ان دونون قریب ہی زمانے مین دو ناول نذر کیئے گئے۔ اور دونون خریدارون کی خدمت مین وی۔ پی بھیجے گئے۔ پہلے اکتوبر سنہ ۱۵ء مین ناول "خوفناک محبت" اُن حضرات کی خدمت مین بھیجا گیا جو جنوری سنہ ۱۹۱۵ء سے خریدار تھے۔ اور چندہ سنہ ۱۹۱۵ء کی قیمت دلگداز پر وی پی گیا۔ پھر جنوری سنہ ۱۹۱۶ء مین ناول "الفانسو" اُن حضرات کی خدمت مین بھیجا گیا جو جنوری سنہ ۱۶ء سے خریدار ہین اور اُسی کو وی۔ پی بھیج کے سنہ ۱۹۱۶ء کا چندہ وصول کیا گیا۔ اگرچہ دونون ویلیوؤن کی روانگی کے درمیان مین دو ہی ڈھائی مہینے کا فصل ہوا اور اکتوبر نومبر اور دسمبر کے رسالون مین مکرر و سہ کرر صاف الفاظ مین بتا دیا گیا کہ پہلا ناول سنہ ۱۵ء کے چندے پر گیا تھا جو تصنیف و طبع مین تاخیر ہونے کی وجہ سے دیر مین بھیجا گیا۔ اور سنہ ۱۶ء کے چندے پر ناول "الفانسو" جنوری سنہ ۱۶ء مین وی پی بھیج دیا جائے گا۔ ہم اپنی بدنصیبی کو کیا کرین کہ ہمارے زبان و قلم سے گویائی مین کبھی اتنی کمی نہین ظاہر ہوئی تھی جتنی کہ اس بارے مین نظر آئی۔ خدا جانے ہمارے پاس کافی الفاظ نہین باقی رہے ہین یا ہمارے ناظرین سمجھنے کی کوشش نہین کرتے کہ ہمارا دل خواہ مخواہ مضمون کے حملے آتے ہین کہ "واہ صاحب! تین مہینے کے اندر دو دو ویلیو کیسے؟ آپ سال مین کئے بار قیمت وصول کیا کرتے ہین؟" اب کس کس کو لکھین؟ اور کتنے خط بھیجین؟ دو ایک صاحبون کو لکھا کہ آپ کو اپنے سوال کا جواب دسمبر کے دلگداز مین مل جائے گا۔ اُسے غور سے پڑھیئے! اس پر ایک صاحب بہت ہی ناراض ہو کے تحریر فرماتے ہین "یہ نئی معاملت ہے۔ ہم تو ویلیو بھیجنے کا سبب پوچھتے ہین۔ آپ

لکھتے ہیں دلگداز بڑھو۔ بھلا یہ بھی کوئی معاملت کا طریقہ ہے؟" مگر سچ یہ ہے کہ جو حضرات بنا حساب یاد رکھیں اور دلگداز میں ہماری التماسوں کو پڑھیں اُن کو ہم کسی طرح نہیں سمجھا سکتے۔

خیر یہ تو اپنی نالائقی کا ایک اعتراف تھا لیکن اس موقع پر عرض کرنے کے قابل جو بات ہے کہ دونوں مرتبہ ویلیوؤں کے بکثرت واپس آنے کے باعث خریداروں کی تعداد ایک ہزار کے قریب رہ گئی ہے۔ اور تمام حضرات جن کے ویلیو واپس آئے اُن کے نام ہم نے رجسٹر سے خارج کر دیے۔ لہذا ... احباب کا اخلاقی و قومی فرض ہے کہ ذرا مستعدی سے کام لے کے نئے احباب کو خریدار بنائیں۔ صرف ڈیڑھ روپیہ سالانہ چندہ ہے۔ اور اس سستے ہونے پر بھی دلگداز بہت ہی اعلیٰ درجہ کا ادبی و تاریخی پرچہ ہے۔ اگر ہمارے کرم فرما ادنے بھی توجہ فرمائیں تو بہت سے خریدار پیدا کر سکتے ہیں۔ بہرحال اس بات کو اپنے ذمے لازم کر لیں کہ ۱۹۱۶ء کے اندر ہی یہ کمی پوری ہو جائے۔ ورنہ ناول نذر کرنے کا بار ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔

خریداران دل افروز سے التماس

آپ کا حساب اپریل ۱۹۱۵ء سے شروع ہوا ہے۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں سال پورا ہو جائے گا اور اپریل ۱۹۱۶ء سے نئی جلد شروع ہوگی۔ جس میں ہمارا ایک نیا ناول "جویائے حق" شائع ہونا شروع ہوگا۔ اور دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان اسے بہت ہی پسند کریں گے۔ دوسرا ناول اسی "پاداش عمل" کی دوسری جلد ہوگی جو اس سال ختم نہیں ہو سکا۔ اپریل ۱۹۱۶ء کا دل افروز تمام خریداروں کی خدمت میں اپریل ہی کے اندر بصیغۂ وی پی جائے گا۔ سب حضرات اُس کے قبول کرنے کے لیے تیار رہیں۔ اور اگر آئندہ خریدار رہنا نہ چاہتے ہوں تو براہ کرم ایک کارڈ لکھ کے منع کر دیں۔ نہ منع کرنے کی صورت میں سمجھا جائے گا کہ اُنھیں خریداری منظور ہے۔ اور وی پی بھیجنے کی وہ صفائی کے ساتھ اجازت دیتے ہیں۔

خاکسار منیجر دل افروز و دلگداز۔

خریداران کتب کو مژدہ

یکم فروری ۱۹۱۶ء سے پابندی کی گئی ہے کہ تمام خریداروں کو دفتر دلگداز سے اور نیز مہذب بک ایجنسی سے کل کتابیں مطبع دلگداز کی ہوں یا باہر کی سبھی اصلی مشتہرہ قیمت پر جلد بندھوا کے دی جائیں گی۔ لہذا خریداروں کو فوراً توجہ کرنی چاہیے۔

منیجر دلگداز۔ و مہذب بک ایجنسی۔

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

ایڈیٹر

مولٰنا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شررؔ

سب ایڈیٹر

مولوی محمد صدیق حسن صاحب

مینیجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

دلگداز پریس مین چھپکے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان سے شائع ہوا

زبیدہ خاتون

یہ خاتون ہارون رشید اعظم کی بیوی اور اُس کے چچا کی بیٹی تھی۔ دوسرے خلیفۂ عباسی ابو جعفر منصور کے دو بیٹے تھے ایک مہدی اور دوسرا جعفر۔ مہدی جو باپ کے بعد اورنگ نشین خلافت ہوا اُس کا بیٹا ہارون ہے۔ اور دوسرے بھائی جعفر کی بیٹی زبیدہ ہے۔ جعفر جس کے نام سے منصور نے کنیت اختیار کی باپ کے زمانۂ خلافت ۱۴۵ھ مین والی موصل مقرر ہو گیا تھا۔ اور اطمینان کے لیے منصور نے اُس زمانے کے نامور سپہ سالار حرب ابن عبداللہ کو اُس کے ہمراہ کر دیا تھا۔ حرب نے موصل مین جاتے ہی ایک عالیشان قصر تعمیر کرایا جس مین جعفر رہا کرتا تھا۔ اِسی قصر مین زبیدہ پیدا ہوئی اور امۃ العزیز نام رکھا گیا۔ مگر وہی تین سال باپ کے آغوش شفقت کا مزا اُٹھانے اور ناز و نعم اور اللہ آمین سے پلنے پائی تھی کہ باپ نے ۱۵۸ھ مین سفر آخرت کیا۔ اور بے باپ کی بچی رہ گئی۔

یتیم ہونے کے بعد جب وہ دادا کے قصر مین آئی تو چونکہ نہایت خوبصورت۔ گوری چٹی۔ جسم نسک سے درست۔ اور نازک اندام و گل رخسار تھی اس لیے دادا کی بہت لاڈلی ہو گئی۔ جنھین اُس پہ بڑا پیار آتا۔ اکثر اُسے دونون ہاتون سے پکڑ کے نچاتے۔ اور کہتے "زبیدہ"۔ زبیدہ عربی مین مکھنی کو کہتے ہین جس سے متھ کے مکھن نکالا جاتا ہے۔ خلیفۂ وقت اور بزرگ خاندان کی زبان کا

لفظ اور لفظ بھی ایسا جو تشبیہ تام کی شان رکھتا تھا سارے گھر کو اس قدر پسند آیا کہ وہی اِس ننھی بچی امۃ العزیز کا لقب پڑ گیا۔ اور ایسا لقب جس نے اصلی نام کو بھی مٹا کے رکھ دیا۔

۱۶۵ھ مین تیرہ چودہ برس کی ہو گی کہ چچا مہدی نے جو اب مالک تاج و تخت اور وارث اورنگ خلافت تھے اپنے بیٹے ہرون کے ساتھ شادی کر دی اور چچا کے گھر مین خلیفۂ وقت کی بہو کی حیثیت سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ بیاہ آئی۔ اِس کے پانچ سال بعد ۱۷۰ھ مین جب ہارون مسند خلافت پر بیٹھا تو دنیا کی سب سے زیادہ معزز و محترم ملکہ وہی تھی۔ ہارون اور زبیدہ مین محبت بھی ایسی تھی جیسی کہ ملوک و سلاطین درکنار دولتمند اور امیر گھرانون کے میان بیویون مین بھی کم دیکھی گئی ہے۔ ہارون بالکل اُس کے ہاتھ مین تھا۔ جس راہ چلاتی چلتا۔ اور جو کہتی کرتا۔ مگر سچ یہ ہے کہ ایک زبردست تاجدار شوہر کو اپنا غلام اور مطیع فرمان بنا لینا شوہر کی وجہ سے نہین ملکہ خود اِس عقلمند شائستہ اور عاقبت اندیش ملکہ کی ذاتی خوبیون کی وجہ سے تھا۔ عہد رشید کے تمام حالات پر غور کیجیے صاف نظر آتا ہے کہ سوشیل معاملات مین وہ میان پر چاہے کیسی ہی چھائی ہوئی ہو مگر سیاسی و انتظامی امور مین کبھی دخل نہ دیتی تھی۔ اِس کے ساتھ لطف یہ کہ دنیا کو تو یہ نظر آ رہا تھا کہ زبیدہ ہارون پر حکومت کر رہی ہے۔ مگر خود رشید کو جو کچھ معلوم ہوتا وہ یہ تھا کہ زبیدہ میری مطیع فرمان ہے۔ اور کوئی بات میرے حکم اور میری مرضی کے خلاف نہین کرتی۔

رشید کا محل منتخب روزگار پری جمالون اور ہر قوم و ملک کی منتخب دلرباؤن سے بھرا ہوا تھا۔ اور روز نئی بھرتی ہوتی رہتی۔ جن مین سے ہر ایک کافر ماجرا اور نازک اندام و دل رُبا ہوتی مگر زبیدہ کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا بلکہ شوہر کی آرزوئین بر لانے مین وہ حتی الامکان اُس کی مدد و معاون ثابت ہوئی۔ اور یہی وجہ تھی کہ عنفوان شباب کی رفاقت آخر عمر تک رہ گئی۔ اور زبیدہ کا شباب ایسے عیش و عشرت مین کٹا جیسا کہ دنیا کی بہت کم ملکاؤن

کو نصیب ہوا ہو گا- اُس کی شان ہمیشہ خاص محل کی رہی- ملک کی تمام خاتونون مین نہایت ممتاز تھی- اور اُس کے محل مین کوئی عورت چاہے رشید کی کتنی ہی بڑی محبوبہ ہو اُس کے حکم اور اختیار سے باہر نہ تھی- اُس نے محل کا ایسا اچھا انتظام کر دیا تھا اور ہارون کے اخلاق و عادات کو ایسا درست کر دیا تھا کہ جاحظ جو عہد قدیم کے نامور علما مین ہین کہتے ہین "رشید کے فضائل مین یہ بھی ہے کہ اُس کی بیوی زبیدہ تھی" بلحاظ نسب وہ خاص ہاشمیہ اور عباسیہ تھی جس فضیلت مین کوئی عورت اُس کی ہمسری کا دعوی نہ کر سکتی تھی- اور نہ اُس کے پائے کو پہونچ سکتی- چنانچہ رشید کے پورے دور خلافت مین وہی سب سے زیادہ حسینہ و جمیلہ وہی سب سے بڑی منتظمہ و مدبرہ- وہی سب سے بڑھ کے شریف النسب وہی سب سے اعلی درجے کی معزز و محترم ملکہ- اور وہی ولی عہد سلطنت محمد امین کی ماں تھی- ان سب باتون کا نتیجہ یہ تھا کہ رشید اُس کی بے انتہا عزت کرتا- اور اپنے مصارف کے لیے وہ جس قدر سرمایہ جتنا وظیفہ اور جتنی دولت مانگتی بے تامل بھیج دیتا-

راویان اخبار نے سیکڑون ایسے واقعات اُس کی جانب منسوب کر کے قصون اور کہانیون کی شان سے بیان کیے ہین جو اُس کی شریف النفسی پاکدامنی اور متانت کے خلاف ہین- الف لیلہ ایسے متعدد قصون سے بھری پڑی ہے- خصوصاً بعض واقعات تو بالکل اعتدال سے باہر ہو گئے ہین- مگر وہ سب اِس نیک سیرت ملکۂ ہاشمیہ پر تہمتین ہین جن سے اُس کی پاک زندگی بالکل مبرا اور بیداغ تھی-

زبیدہ خلافت عباسیہ کے آغوش مین پلی اور خلافت اُس سے اس قدر وابستہ تھی کہ ابو العیناء نام ایک نامی بزرگ کہا کرتے "زبیدہ اگر اپنی زلفون کو بکھرا دے تو ہر لٹ جا کے کسی خلیفہ ہی پر پڑے گی- پہلا عباسی خلیفہ سفاح اُس کے دادا کا بھائی تھا- دوسرا خلیفہ ابو جعفر منصور اُس کا حقیقی دادا تھا تیسرا خلیفہ مہدی اُس کا چچا اور خسر تھا- چوتھا خلیفہ ہادی اُس کا دیور تھا- پانچوان خلیفہ ہرون رشید اُن کا نازبردار شوہر تھا- چھٹا خلیفہ امین اُس کا لاڈلا فرزند تھا- اور ساتوین

اور آٹھوین خلفائے عباسی مامون و معتصم اُس کے سوتیلے بیٹے تھے۔

شادی کے چار سال بعد تقریباً ڈیڑھ سال کا زمانہ اُسے پریشانی اور انکار و تردداتمین البتہ گزرا ہوگا جبکہ اُس کا دیور ہادی تخت خلافت پر قابض اور چھوٹے بھائی رشید کے نام سے بیزار تھا۔ اس لیے کہ اُس کی ولیعہدی اُسے بجبر و اکراہ منظور کرنی پڑی تھی۔ مگر ہادی کی جوانمرگی نے ڈیڑھ ہی سال کے اندر وہ سب فکرین دور کر دین۔ اور اسے ایسا بامراد اور قسمت ور بنا دیا کہ شاید اُس وقت دنیا بھر مین ایسا خوش نصیب کوئی اور نہ ہوگا۔

مگر اس کے بعد جب رشید چوبیس سال زبردست حکومت کر کے اور زبیدہ کو ہر قسم کا عیش کرا کے سنہ ۱۹۳ھ مین مر گیا۔ آخرت ہوا۔ اور اُس کی بیوگی کا زمانہ شروع ہوا تو شاید وہ مصائب زمانہ سے دوچار ہو کے ملول و حزین ہو جاتی۔ مگر اب اُس کا بیٹا امین رشید خلیفۂ وقت تھا اور زبیدہ کی عزت بجائے گھٹنے کے اور بڑھ گئی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ یورپ کے کسی فرمانروا کی ماں نہ تھی جو شوہر سے محروم ہو کے دل شکستہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایک مسلمان تاجدار کی ماں تھی جس کی عزت و حکومت لازمی طور پر پہلے سے زیادہ بڑھ جایا کرتی ہے۔ اور صاحب تاج و تخت فرزند چاہے کیسا ہی باشوکت ہو ماں کے آگے ہاتھ ہی جوڑتا رہتا ہے۔

لیکن اُس کے چار پانچ سال بعد جب امین اپنی بے عقلی و بے اعتدالی کے باعث مامون سے جھگڑ کے سنہ ۱۹۸ھ مین مارا گیا تب البتہ زبیدہ کو سرد مہری زمانہ سے سابقہ پڑا۔ خصوصاً اِس لیے کہ مامون خراسان مین تھا اور اُس کے سپہ سالار طاہر نے جس کے ہاتھ سے اُسے یہ فتح حاصل ہوئی اور امین مارا گیا حریم خلافت کے ساتھ گستاخیان کین اور زبیدہ کی عزت و حرمت کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہ کیا۔ مامون اگرچہ سوتیلا بیٹا تھا مگر زبیدہ اُس کی نیک سرشت۔ اُس کے مزاج اور اُس کے خصائل سے

بخوبی واقف تھی۔ شکایت زمانہ مین چند اشعار موزون کر کے اُس کو بھیجے جن کا مضمون یہ تھا:

"مین یہ تحریر لکھ رہی ہون اور آنکھون سے آنسو جاری ہین۔ طاہر کے ہاتھ سے (خدا اُسے غارت کرے) میری بڑی بے حرمتی ہوئی۔ مجھے بے پردہ اور بے نقاب و چادر باہر نکالا۔ میرا محل لوٹ لیا۔ میری مال و دولت برباد کی۔ اور میرے تمام قصر و ایوان اجاڑ دیے۔ میری جو بے آبروئی ہوئی ہے۔ اور اس کو سنو گے تو تم سے (وہ ایک یتیم تھا) مجھ پر جو گذری ہے وہ ہارون کو قبر مین چین سے نہ بیٹھنے دیگی۔ لیکن یہ سب باتین اگر تمہارے حکم سے ہوئی ہون تو مین صبر کر لون گی کہ قسمت مین یہی تھا۔" اِس کے ساتھ اُس نے اپنے بیٹے امین کا ایک مرثیہ کہا اور دونون نظمون کو مامون کے پاس خراسان مین بھیج دیا۔

یہ نظمین ایسے سوز و گداز کے الفاظ مین لکھی گئی تھین کہ مامون کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ بے اختیار رو دیا۔ اور اُس کی زبان سے نکلا "مین خود اپنے بھائی کے خون کا انتقام لون گا"۔ اِس کے بعد وہ زبیدہ کے ساتھ بالکل اپنی ماں کی طرح پیش آیا۔ مہربانی اور ہمدردی مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا۔ قصر خلافت ہی کے اندر اُسے لا کے رکھا۔ اور اُس کا ایوان نہایت ہی اعلیٰ و ارفع تھا۔ اُس کی خدمت کے لیے بہت سی لونڈیان اور غلام مقرر کیے۔ سالانہ وظیفہ کے طور پر اُس کے نام ایک لاکھ نئی اشرفیان اور دس لاکھ جدید الضرب درہم جاری کیے۔ اسی رقم مین سے سو اشرفیان اور ہزار درہم ہر سال وہ ابوالعتاہیہ کو دیا کرتی تھی جو اُس زمانے کا سب سے زیادہ نامور اخلاقی شاعر تھا۔ اور زبیدہ کی سرکار سے وابستہ تھا۔

ایک سال اتفاق سے وہ یہ رقم بھجوانا بھول گئی۔ اور گرد و پیش والون مین سے بھی کسی نے یاد نہ دلایا۔ ابوالعتاہیہ نے ایک پُرزے پر دو شعر لکھ کے اندر بھجوا دیے جن کا مضمون یہ تھا "ذرا مجھے بتانا کہ امسال دارالضرب

مین نئے طلائی و نقرہ سکے بنے ہین یا نہین؟ اس لیے کہ ہر سال کی طرح اب کی برس مین نے نہ نئی اشرفیان دیکھی ہین نہ نئے درہم دیکھے ہین۔
اِن اشعار کو پڑھتے ہی زبیدہ نے معمولی رقم بھجوا دی۔

مامون ہمیشہ اُس کا خیال رکھتا۔ اور بہت ادب کرتا۔ جب مامون نے اپنے وزیر کی بیٹی توران کے ساتھ دھوم دھام سے شادی کی ہے تو دولھن کے لینے والون مین سب سے پیش پیش زبیدہ ہی تھی۔ اتفاقاً ایک بار اُس کی کسی خواہش پر مامون سے سردمہری ظاہر ہوئی۔ زبیدہ نے شکایت زمانہ مین چند اشعار ابو العتاہیہ سے کہلا کے مامون کے پاس بھیج دیے۔ آخری شعر یہ تھا۔

اذا بقی المامون لی فالرشید لی — ولی جعفر لم یفقدا و محمدٌ

(جب مامون موجود ہے تو میرے لیے رشید (شوہر) جعفر (باپ) اور محمد (بیٹا) سب موجود ہین) مامون یہ اشعار پڑھتے ہی بے اختیار دوڑا آیا۔ آتے ہی قدمون پر گر پڑا۔ اور کہا "مین نے آپ کے معاملے مین بے پروائی نہین کی۔ بلکہ میرے اور کامون مین مصروف ہونے کی وجہ سے آپ کو ایسا محسوس ہوا۔ مگر یہ بھی میری نالائقی ہے۔ لہٰذا آپ میرا قصور معاف فرمائین" زبیدہ نے کہا "تو پھر مجھے کوئی شکایت نہین۔ ہزار مشغولیتین ہون دل صاف اور مہربان ہے تو اندیشہ نہین"

زبیدہ کی ذہانت و طباعی اور فراست و دانائی کے ساتھ اُس کی فیاضی رحم دلی۔ اور نیک نفسی بھی ضرب المثل تھی۔ خدا نے اس کے ساتھ حشمت و دولت بھی اِس قدر دی تھی کہ ملوک و سلاطین بھی اُس کے آگے مفلس تھے۔ چنانچہ حریری اپنے مقامات مین ایک جگہ کہتا ہے "اگر شیرین اپنا حُسن اور زبیدہ اپنی دولت مجھے دیدے"۔ شیخ سعدی فرماتے ہین

ع "نہ مثل زبیدہ ست ہر بیوہ"

زبیدہ کی خدمت مین ایک پری جمال لونڈی تھی "... تھا۔ زمانے کا مشہور مغنی مخارق اُس کی صورت پہ فریفتہ ہو گیا۔ مگر

زبیدہ کے ڈر سے چھپاتا تھا۔ تاہم جب شوق دل بیتاب کرتا تو شوق دید مین ڈیوڑھی پر چلا آتا۔ اتفاقاً کسی نے زبیدہ سے چغلی کھائی۔ سنتے ہی زبیدہ بہت ناراض ہوئی اور حکم دیدیا کہ "خبردار مخارق میری ڈیوڑھی پر نہ آنے پائے۔ اور نہ ادھر سے ہوکے گذرا کرے" مخارق نے مجبوراً یہان کا آنا بھی چھوڑ دیا۔ ایک دن وہ مامون رشید کی محفل مین نغمہ سرائی کرکے دریا کے راستے سے واپس آرہا تھا جب اُس کی چھوٹی کشتی دجلہ مین زبیدہ کے قصر کے سامنے سے گزری تو مخارق نے نہایت ہی سوز و گداز کے سُرون مین چند اشعار گائے جن مین سب سے پہلے شعر کا یہ مطلب تھا "اگر وہ اپنے گھر کے پاس آنے سے مجھے منع کرتے ہین تو نہ سہی اُس گھر کو مین دور ہی سے دیکھ لیا کرون گا" اتفاقاً زبیدہ اُس وقت کوٹھے پر بیٹھی دریا کی بہار دیکھ رہی تھی۔ یہ نغمہ اُس کے کان مین پہونچا تو چونک کے کہنے لگی "یہ تو خدا کی قسم مخارق کی آواز ہے۔ دوڑ کے اُس کی کشتی روکو۔ اور میرے پاس بُلا لاؤ" مخارق آیا تو زبیدہ نے کوٹھے پر اپنے پاس بُلا لیا۔ بیٹھنے کے لیے کرسی دی۔ نبیذ پلائی۔ خلعت سے سرفراز کیا۔ اپنی خوش گلو لونڈیون کا گانا سنوایا۔ اور کہا "اب تم بھی کچھ گاؤ" حکم پاتے ہی مخارق نے چند شعر گائے جن مین اپنے ذوق و شوق اور اپنی بیتابی و بیقراری کو جی بھر کے دکھایا۔ مخارق کی زبان سے یہ اشعار سُنتے ہی نہار بھی بربط لے کے بیٹھ گئی۔ جن مین بظاہر تو مخارق کی طرف سے نفرت و اختلاف ظاہر ہوتا تھا۔ مگر معنے اور پردے پردے مین اُس کی طرف اپنا میلان اور اُس کے عشق کے قبول کرنے کا اقرار و اعتراف تھا۔ نہار کی یہ حرکت اور دورُخی بات سمجھ کے زبیدہ بہت ہنسی اور کہا "جو لطف مجھے تم دونون کے نغمے مین آج آیا کبھی نہین آیا تھا" اور اُسی وقت "نہار" کا ہاتھ پکڑ کے مخارق کے حوالے کر دیا۔

زبیدہ کی رحم دلی اور نفع رسانی خلق یون تو مشہور ہی ہے مگر ایک دن اُس نے کمال کر دیا۔ اور سب لوگون کو اعتراف کر لینا پڑا کہ ایسا [illegible] اور کسی شخص مین نہین ہو سکتا۔ ایک شاعر صاحب جنھین خدا نے

لیاقت چاہے کتنی ہی دیدی ہو مگر عقل نہ دی تھی اُس کی شان مین قصیدہ لکھ کے لائے۔ اور سُنانا شروع کیا۔ جس کے ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ
"زبیدہ۔ تیری خدمت مین آنیوالا بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ کیونکہ اور لوگ ہاتھون سے فیاضی کرتے ہین تو تو پاؤن سے کرتی ہے"
یہ شعر سنتے ہی کل حاضرین حرم کی رنگت اُڑ گئی۔ نقیب اور چوبدار دوڑے کہ اُسے مارین۔ اور ایسے بدتمیز گستاخ کو اس محترم دربار سے نکال باہر کرین۔ مگر خود زبیدہ نے آواز دے کے سب کو روکا۔ اور کہا "اِسے مارتے کیون ہو؟ اِس نے جو کچھ کہا ہے نیک نیتی سے کہا ہے۔ مگر بے عقلی سے ادب و تمیز داری کے اصول سمجھنے مین غلطی کر گیا ہے شاعر کو کسی کی مدح مین اِس نے یہ کہتے سُنا ہو کہ اور جو داہنے ہاتھ سے کرتے ہین وہ تیرے بائین ہاتھ کا کام ہے۔ اُسی مضمون سے اخذ کر کے اس نے یہ احمقانہ جدت طرازی کی۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ جانے دو اور امید لگا کے آیا ہے تو محروم نہ پھیرو۔ مگر سمجھا دو کہ پھر ایسی حماقت و بدتمیزی کی بات زبان سے نہ نکالے" یہ کہہ کے اُسے انعام و اکرام سے سرفراز کر کے رخصت کیا۔
زبیدہ خاتون مین دینی جوش ابتدا ہی سے ... ہوا تھا مگر بوڑھاپے مین اور زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ مؤرخین کا بیان ہو کہ اُس کے محل مین سو لونڈیان حافظ قرآن تھین۔ جو روز خوش گلوئی اور اعلیٰ ترین قرأت کے ساتھ تلاوت قرآن کیا کرتین۔ اُن مین سے ہر ایک کے ذمے فرض تھا کہ روز دس پارے پڑھے۔ اور تین دن مین قرآن مجید ختم کر دے۔ اِن عورتون کی تلاوت سے اُس کے محل کی طرف سے ہو کے جب گذریئے شہد کی مکھیون کی سی ایک گونج سُنی جاتی۔ اور انسان کے دل پر دینی عقیدت و پاکیزگی کا بڑا اثر پڑتا۔
لیکن جوش مذہبی اس حد سے بھی گزرا تو اُس نے بعہد مامون رشید سنہ ۲۰۸ھ مین حج کا ارادہ کیا مامون اُس سے اِس قدر مانوس ہو گیا

تھا کہ امید نہ تھی اُسے خوشی سے ایسے دُور دراز سفر کی اجازت دیدے گا۔ اِسلیے زبیدہ نے اُس کی محبوبہ دُلھن بوران کی زبان سے کہلا کے اجازت حاصل کی۔ اور متبرک سفر کی تیاریان کر دین۔ چونکہ نہایت ہی دولت مند تھی اور رشید اور مامون دونون نے اُس کے گھر کو دولت و حشمت سے مالا مال کر دیا تھا۔ اس لیے وہ حج کو چلی تو پہلے ہی سے تہیہ کر لیا کہ دینی خدمات اور نفع رسانی خلق اللہ مین جی کھول کے حوصلہ نکالے گی۔

بڑے کرّ و فر سے روانہ ہوئی۔ اور بجائے اس کے کہ عراق سے سیدھی مکہ معظمہ کی جانب رخ کرے شام و ارض مقدس کی طرف سے پھیر کھاتی ہوئی گئی۔ اور سفر مین قدم رکھتے ہی فیاضیان شروع کر دین۔ کہتے ہین کہ صرف اِس سفر مین اُس نے تعمیر مساجد اور دیگر خیراتی کامون مین سترہ لاکھ اشرفیان صرف کین۔

بیت المقدس کی زیارت کے وقت جب وہ کوہ لبنان کے دامن مین گذری تو دیکھا کہ پانی کی قلت ہے اور لوگ تکلیف اُٹھاتے ہین۔ ہمراہی انجینیرون کو حکم دیا کہ اِس خطہ مین کسی نہر کے لانے کی کوشش کرین۔ اُنھون نے جستجو و پیمایش کے بعد عرض کیا کہ کوہ لبنان کے چشمۂ عوعار سے یہان نہر آ سکتی ہے۔ زبیدہ نے فوراً اُس کام کو چھیڑ دیا۔ اور بڑی خوبی کے ساتھ یہ نہر جاری کر دی گئی۔ اِس نہر کو پہاڑ سے اُتار کے وہ شہر بیروت اور وادی مکلس مین لائی ہے۔ اس وادی مین اُس کی فیاضی و بلند حوصلگی اور اُس کے انجینیرون اور مہندسون کی صناعی سے درجہ بدرجہ بند اور پُل تعمیر کیے گئے ہین۔ جن کی مدد سے پانی بلندی پر چڑھ کے دوسری طرف نکل جاتا ہے۔ اور یہین سے نہر کی ایک شاخ بیروت کو نکل گئی ہے۔ یہ پُل آج تک "قناطر زبیدہ" کے نام سے مشہور رہین۔ اگرچہ اب اس زمانے مین یہ خیال پیدا کیا گیا ہے کہ اُن کی بانی شہر تدمر کی ملکہ زنوبیہ تھی۔ جس کے حالات ہم نے ایک جداگانہ رسالے مین قلمبند کیے ہین۔ شاید ایسا ہی ہو۔ مگر زبیدہ کی فیاضیون کی یہ بھی ایک

بے نظیر خوبی ہی رہے گی کہ اور ون کی فیاضیان بھی اُسی کی جانب منسوب کر دی جاتی ہین۔

عراق شام اور عرب مین اسکے اِس قسم کے بہت سے خیراتی کام ہین جو دنیا کو آج تک نفع پہونچاتے ہین۔ اور فیاض ملکۂ عباسیہ کے لیے مایۂ ثواب آخرت ہین۔ اُسکی وہ تمام یادگارین "زبیدیہ" کہلاتی ہین۔ منجملہ اُن کے مکۂ معظمہ اور عقیق کے درمیان ایک تالاب ہے جہان اُس کا ایک قصر اور مسجد بھی موجود ہے۔ جن چیزون کو اُس نے اپنے روپیہ سے حاجیون کی نفع رسانی کے لیے بنوایا تھا۔

مگر اُس کی سب سے بڑی حیرت انگیز یادگار جس نے اُسے قیامت تک کے لیے ایک رحمت الٰہی ثابت کر دیا مکۂ معظمہ کی نہر زبیدہ ہے۔ عوام مین مشہور رہے کہ یہ نہر دریاے دجلہ سے کاٹ کے لائی گئی ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اور نہ ایسا کام قوت انسانی کے اقتدار مین ہے واقعہ یہ ہے کہ زبیدہ نے مکۂ معظمہ سے دس پندرہ میل کی مسافت پر کسی پہاڑ مین ایک چشمہ ڈھونڈھ نکالا۔ وہین سے پہاڑون کو کاٹ کے اور بڑی بڑی چٹانون کو توڑ کے اِس نہر کو وہ مکہ مین لائی ہے۔ اور اِس شان سے لائی کہ پانی مکۂ معظمہ مین جوش مارنے لگا۔ ریگزار عرب مین پانی کا چند گز تک لانا بھی قوت بشری سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ اِس لیے کہ کیسا ہی چشمہ ہو پیاسی بالو چند ہی قدم مین اُسے پی جاتی ہے۔ اور انسان کے لیے ایک قطرہ بھی نہین چھوڑتی۔ پھر جس سرزمین مین لو کے جھونکو کے ساتھ بالو کے پہاڑ ایک جگہ سے اُڑ کے دوسری جگہ قائم ہوتے رہتے ہون وہان کسی نہر کا ایک دن جاری رہنا بھی غیر ممکن ہے۔ چند ہفتے بھی نہ گزرنے پائین کہ بالو اُسے پاٹ کے برابر کر دے۔ اِن دونون قدرتی دشمنون کی دست برد سے بچا کے ایک نہر کا دس پندرہ میل تک بہا لانا امکان سے باہر نظر آتا ہے۔ مگر زبیدہ کی فیاضی نے اُسے ممکن کر ہی کے چھوڑا۔ اُس نے نہر کے ظرف کو جس مین سے ہو کے وہ

گذرتی ہو خدا جانے کس طرح اور کس قدر ریختہ بنایا ہو کہ پانی زمین مین جذب نہین ہونے پاتا۔ اور ریگ روان کی سیل سے بچانے کے لیے نہر کو اول سے آخر تک اُوپر سے پاٹ دیا ہو جس کی وجہ سے اُوپر چاہے کچھ ہو نہر کی روانی مین فرق نہین آنے پاتا۔ صرف مکہ معظمہ مین اور بعض اور آباد مقامون مین جا بجا کنوؤن کی طرح اُوپر سے کھول دی گئی ہے جہان سے لوگ پانی لے لیا کرتے ہین۔

یہ وہ مقام ہے جہان حضرت اسماعیل کے سیر کرنے کے لیے خداوند جل و علا نے معجز نما طریقہ سے زمزم کا سوتا جاری کیا تھا۔ جس سے پہلے یہان زندگی غیر ممکن تھی اور کسی ذی روح مخلوق کا کوسون پتہ نہ تھا۔ اُسی زمین مین جن تدبیر سے ایسی ایک نہر کا جاری کر دینا فرہاد کے جوے شیر لانے سے زیادہ دشوار کام تھا۔ مگر نیک نیت ملکہ زبیدہ کے ہاتھ سے خدا نے اُسے انجام دلا دیا۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہین "اُس نے اہل مکہ کو اُس وقت پانی سے سیراب کر دیا جب کہ ایک کوزۂ آب کی قیمت ایک دینار (اشرفی) کو پہونچ گئی تھی"۔

اسی سلسلہ مین زبیدہ نے کلہ مین مقام عقبہ کے بنجر خطہ کو ایک نزہت بخش باغ بنا دیا۔ اُس کے داروغہ نے ادب سے عرض کیا "حضور اِس کام مین بڑا صرف پڑے گا"۔ اُس نے جوش و استقلال کے ساتھ جواب دیا "جتنا صرف پڑے گا مین برداشت کرون گی۔ چاہے پھاوڑے اور کُدال کی ہر ہر ضرب کی مزدوری ایک ایک اشرفی پڑے مین دون گی مگر اِس کام کو پورا کر کے رہون گی" چنانچہ وہ اپنے ارادے مین کامیاب ہوئی۔ اور اُس خطہ کو ایک گلزار پُر بہار بنا دیا۔ مکہ معظمہ مین غربا اور حجاج کے قیام کے لیے اُس نے دو مکان بھی تعمیر کرائے تھے۔ ایک جانب شامی مین یعنی کعبہ شریف کے شمالی جانب تھا اور دوسرا جانب یمانی مین یعنی جنوب کی طرف۔

ایسے شاندار اور ہمیشہ یاد رہنے والے حج کے بعد زبیدہ بغداد مین واپس گئی تو خاموشی کے ساتھ عبادت و تقوے مین مصروف ہو گئی اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اپنے شوہر کے زمانے مین وہ انتظامات ملکی و دربار کے مین دخل دیتی تھی اپنے فرزندون کے زمانے مین بھی کبھی اُس نے اس کا خیال نہ کیا کہ ملک مین کیا ہو رہا ہے۔ مگر فیاضی اور خدمات مخلوق کا سلسلہ

اب بھی اُسی طرح جاری تھا۔ بغداد مین بہت سے قصر و ایوان اُسکی جانب منسوب تھے۔ اور اب بھی اُس کے نام کے مختلف محلے ہین اور جا بجا اُسکی یادگارین باقی ہین۔

حج کے آٹھ سال بعد ۲۱۶ھ مین زبیدہ نے تقریباً ستر برس کی عمر مین سفر آخرت کیا۔ مگر اپنے نام اور اپنے کامون کو ابدالآباد تک باقی رہنے کے لیے زندہ چھوڑ گئی۔

حاجی ریاض الدین احمد

مارہرے مین اگرچہ دینی کشش بڑھی ہوئی تھی اور ہمارے مولانا کو اُس مبارک خطہ سے دلی عقیدت کا تعلق تھا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ وہان کا جذب اُنھین چند ماہ سے زیادہ روکتا۔ وحشت دل جو بڑھی تو یک بیک چل کھڑے ہوئے اور جا کے نصیرآباد کی چھاؤنی مین دم لیا۔ وہان بھی خوش نصیبی سے نوکری ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ مشن اسکول کے سکنڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔

وہین قیام تھا کہ اجمیر شریف کا عرس ہوا۔ آپ بغرض حصول ثواب وہان تشریف لے گئے۔ اور خواجہ صاحب کے مزار پُر انوار کے سامنے درگاہ رب العزت مین یہ التجا کی کہ ”خداوندا کوئی ایسا سامان کر کہ مجھے اپنے پورے خاندان کے ساتھ سفر حجاز اور ادائے حج کا موقع ملے“ اتفاقاً اُن دنون ٹامس کوس اینڈ سنز نے حاجیون کے جدے لے جانے اور لانے کا ٹھیکا لیا۔ اور کسی تعلیم یافتہ مسلمان منتظم کے لیے اخبارون مین اشتہار دیا۔ آپ نے دیکھتے ہی درخواست بھیج دی۔ جو منظور ہوئی۔ اور آپ کمپنی کے ملازم اور روانگی حجاج کے منیجر ہو گئے۔ ایک ہی سال کے اندر مکہ معظمہ کے مطوفون اور معزز عہدہ داران جدہ سے خوب راہ و رسم ہو گیا۔ اور دوسرے برس موسم حج مین آپ نے اپنے اور اپنے خاندان کی تمام

بی بیون اور بچون کے لیے کمپنی سے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ اپنے حق الخدمت کے معاوضہ مین طلب کیے جو بہ خوشی عطا کیے گئے۔ اور آپ اپنے گھر کی چونٹی چونٹی کو ساتھ لے کے بڑی عزت کے ساتھ مقدس ارض حجاز مین پہونچے۔ نہایت اطمینان کے ساتھ حج کیا۔ مطوفون نے جدّے مین آکے بڑے جوش وخروش سے استقبال کیا۔ حج کرایا۔ اور مدینہ منورہ تک ساتھ گئے تاکہ راہ مین کسی بات کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ غرض بڑی کامیابی کے ساتھ حج مبرور و زیارت تربت رسول اکرم سے شرفیاب ہو کے وطن مالوف مین واپس آئے۔

مگر اس کمپنی کی نوکری گویا حج کرنے ہی کے لیے تھی۔ عرب سے واپس آتے ہی ترک تعلق کر لیا۔ کمپنی نے ہزار روکا۔ سمجھایا۔ بڑے بڑے لالچ دلائے۔ مگر ایک نہ سُنی۔ اور گھر مین آکے بیٹھ رہے۔

اُن دنون ریاست رامپور مین تمام اختیارات جنرل اعظم الدین خان کے ہاتھ مین تھے۔ آپ سے اُن سے پہلے کی شناسائی تھی۔ جا کے اُنھین اپنے تعلیمی تجربون سے آگاہ کیا۔ اُنھون نے آپ کو ریاست کے جملہ مدارس کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا۔ لیکن چند ہی مہینہ اِس خدمت کو انجام دیا تھا کہ سُنا راجہ صاحب محمود آباد نے لکھنؤ مین ایک مدرسۂ اسلامیہ قائم کیا ہے۔ اور نہایت ہی کریم النفسی و بے تعصبی سے اُس مین شیعہ سُنی دونون فریقون کے بچون کو تعلیم دیجاتی ہے۔ یہ مژدہ سنتے ہی دل مین جوش پیدا ہوا تو بے تکلف رامپور چھوڑ کے لکھنؤ مین آ پہونچے۔ اور اُس مدرسہ کے سکنڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ یہ مدرسہ رفاہ عام کی عمارت مین کھلا تھا۔ اور کھلتے ہی بہت سے مسلمان لڑکے اُس مین شریک ہو گئے تھے۔

حاجی صاحب نے سال بھر اِس مدرسہ مین تعلیم دی تھی کہ لکھنؤ سے جی بھر گیا تو کری ہی چھوڑ کے بھیکم پور ضلع علی گڈھ مین پہونچے۔ اور وہان کے رئیس اعظم عبدالشکور خان صاحب مرحوم کے پوتون محمد صالح خان۔ محمد عابد خان اور محمد عمر خان کے اتالیق مقرر ہو گئے۔ سال کے اندر ہی یہ تعلق بھی چھوڑ دیا۔

اور ٹوڑکی کے متصل قصبۂ منگلور مین پہونچ کے وہان کے رئیس قاضی ناظر حسن صاحب کے فرزند کے اتالیق مقرر ہو گئے۔

منگلور ہی مین تھے کہ سُنا جبل پور کی انجمن اسلامیہ کو ایک پیڈ اسسٹنٹ سکریٹری کی ضرورت ہے۔ بے تکان اُدھر کی راہ لی۔ جاتے ہی اُس خدمت پر مامور ہو گئے۔ اور انجمن کا کام انجام دینے لگے۔ چندروز مین اِس نوکری سے بھی جی ہٹ گیا۔ گھر واپس آئے۔ جہان سے حسن عقیدت پھر مارہرہ لے گیا۔ اور جاتے ہی پھر وہان کے مدرسۂ اسلامیہ کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔

اس زمانے مین اتفاقاً بھوپال کے نواب سلطان دولہا مرحوم کے اُستاد مولوی حکیم علاءالدین صاحب بھیکم پور مین مولوی عبدالشکور خانصاحب کے مہمان تھے۔ اُنھون نے ایک دن بسبیل تذکرہ کہا کہ "ولیعہد بھوپال نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ (حال والیۂ بھوپال) کو اپنے فرزند اکبر نواب صاحبزادہ نصراللہ خان بہادر کے لیے ایک ایسے اتالیق کی ضرورت ہے جو انگریزی دان ہونے کے ساتھ خوش عقیدہ ہو۔ دیندار ہو۔ پابند شرع ہو۔ اور وضع قطع بھی مسلمانون کی سی رکھتا ہو" عبدالشکور خانصاحب مرحوم بڑے پختہ مغز رئیس تھے۔ اور حاجی صاحب کے حالات و خیالات سے بخوبی واقف تھے۔ کہا یہ تمام صفات تو حاجی زکریا حمزالدین احمد صاحب سے زیادہ کسی مین نہین ہین" حکیم صاحب نے اشتیاق ظاہر کیا۔ اور عبدالشکورخان صاحب نے حاجی صاحب کو مارہرہ سے بلا کے پیش کر دیا۔ حکیم صاحب اُن کو دیکھ کے بہت خوش ہوئے۔ اور کہا "آپ بھوپال کی اس ملازمت کو پسند کرین گے؟" حاجی صاحب کی تو شان ہی یہ ہے کہ جس طرح نوکری چھوڑنے مین آندھی ہین اُسی طرح ہر نوکری کے قبول کرنے کو بھی تیار رہا کرتے ہین۔ فوراً ملازمت قبول کر لی۔ اور حکیم صاحب کے ہمراہ بھوپال پہونچے۔ اور ولی عہد حال بھوپال کو تعلیم دینے لگے۔ مگر دل کی بیقراری کا اب بھی وہی رنگ تھا۔ ایک ہی

سال کے اندر اِس تعلق سے بھی اُکتا گئے۔

چلنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ کسی سے معلوم ہوا بمبئی مین حاجی عبداللہ عرب (میمن) کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہی جو قرآن مجید کے تمام انگریزی ترجمون پر نظر ڈال کے اور غلطیان دُور کر کے ایک ایسا ترجمہ مرتب کر دے جو عمدہ اور مستند ہو۔ ایسی دینی خدمت کو بھلا حاجی صاحب کیا چھوڑ سکتے تھے، فوراً بمبئی مین جا پہونچے ترجمہ کا کام اپنے ہاتھ مین لے لیا۔ اور کتب خانۂ آصفیہ سے فائدہ اُٹھانے کے لیے حیدرآباد دکن مین آ گئے۔ اور چونکہ مجھ سے پُرانی ملاقات تھی اس لیے اکثر ملاقات ہوا کرتی۔ مگر حاجی صاحب حیدرآباد دکن مین کتابون کی ورق گردانی ہی کرتے رہے اور حاجی عبداللہ عرب سارا کاروبار چھوڑ چھاڑ بغیر کسی کو خبر کیے ارض عرب مین چلے گئے۔ حاجی ریاض الدین احمد کو اپنی زندگی مین ایک ہی بزرگ البتہ ایسے ملے جن کا مرتبہ دارفتہ مزاجی مین اُن سے بڑھا ہوا تھا۔ جب کوئی ممد و معاون ہی نہ رہا تو خود بھی ترجمۂ قرآن کے کام سے دست بردار ہو گئے اور گھر واپس آ گئے۔

جن دنون حاجی صاحب ٹامس کوک کمپنی کے ملازم تھے انھین شاہ دین بیرسٹر لاہور اور آنریبل ہرکشن لال بیرسٹری کے لیے انگلستان جانا چاہتے تھے۔ حاجی صاحب نے ٹامس کوک کے ذریعہ سے اُن کے سفر انگلستان کا قابل اطمینان انتظام کر دیا تھا۔ اب سُنا کہ آنریبل ہرکشن لال نے ولایت سے واپس آ کے لاہور مین بڑی ترقی کی۔ اور ایک بھارت انشورنس کمپنی قائم کی ہے جو نہایت ہی کامیابی سے چل رہی ہی۔ اتنا سننا تھا کہ حاجی صاحب نے مسٹر شاہ دین کو لکھا "ہرکشن لال کو ہماری یاد دلا دیجیے۔ اور کہیے کہ اپنی کمپنی مین ہمین بھی جگہ دین" آنریبل ہرکشن لال نے سنتے ہی بلا لیا۔ اور آپ لاہور پہونچے۔ اُنھون نے صدر دفتر لاہور مین کمپنی کا اسسٹنٹ سکرٹری مقرر کر دیا۔ اور جب آپ نے بیمہ کا کام سیکھ لیا تو کمپنی کی اُس شاخ مین بھیج دیا جو فیض آباد مین قائم تھی۔ چھ مہینے تک حاجی صاحب نے یہ ملازمت

بھی کرکے دیکھ لی مگر مزہ اِس مین بھی نہ آیا۔ اور دامن جھاڑکے الگ ہوگئے۔

اِن دنون آلی ڈاکٹر حکیم محمد شریف نے اشتہار دیا تھا کہ اُنھین ایک مترجم کی ضرورت ہے۔ آپ نے اُن کے پاس بلا تکلف درخواست بھیج دی۔ جو فوراً منظور ہوئی۔ اور آپ نے پھر لاہور پہونچ کے دفتر اخبار وطن مین قیام کیا۔ اس نوکری کو مہینہ ہی بھر ہوا تھا کہ حاجی صاحب نے حکیم صاحب سے ترجمہ مین مدد لینے کے لیے کوئی معمولی ڈکشنری مانگی۔ اُنھون نے دینے مین تامل کیا۔ اور حاجی صاحب بگڑ کے چلے آئے۔ اُس زمانے مین انجمن تعلقداران اودھ کے انگریزی اخبار آکسپرس کا انتظام منشی اطہر علی مرحوم کے ہاتھ مین تھا۔ اُنھون نے حاجی ریاض الدین احمد صاحب کو اُس کا اسسٹنٹ اڈیٹر مقرر کرکے لکھنؤ مین بلا لیا۔ آپ نے فوراً آکے کام شروع کیا۔ مگر چھ مہینے مین اڈیٹری سے جی بھر گیا۔ اور کسی سے پتہ لگا کہ فتح پور ہنسوہ مین ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کے لیے مسلمان ہیڈ ماسٹر کی ضرورت ہے۔ آپ نے بلا تامل درخواست بھیجدی۔ جو حسب معمول منظور ہوئی اور آپ وہان پہونچ کے پڑھانے لگے۔ چھ ماہ بعد سُنا کہ الہ آباد مین مسٹر کیمسٹر نام ایک یوروپین، کسی ایسے اُستاد کو مستقل طور نوکر رکھنا چاہتے ہین جو اُنھین اردو کا امتحان ہائیر اسٹنڈرڈ پاس کرا دے۔ حاجی صاحب فوراً الہ آباد جاکے اُن سے ملے۔ اُنھون نے چالیس روپیہ ماہوار پہ نوکر رکھ لیا۔ اور وعدہ کیا کہ جو انعام ملے گا وہ بھی آپ ہی کی نذر کردون گا۔ یہ یورپین چونکہ ٹریننگ کالج لکھنؤ کے پرنسپل مقرر ہو گئے تھے اِس لیے حاجی صاحب کو اپنے ساتھ لکھنؤ مین لائے۔ اور اپنے کورس مین محنت کرنے لگے۔

اسی زمانے مین حاجی صاحب نے لکھنؤ سے "الریاض" نام ایک عربی وار دو اخبار جاری کیا۔ اور مولوی عبدالعلی صاحب آسی مدراسی مرحوم کو اُس کا مینیجر قرار دیا۔ یہ اخبار مدت تک جاری رہا۔ اور حاجی صاحب جاہے کہین ہون مولانا آسی مدراسی اُسے چلاتے رہتے تھے۔ یہان تک کہ کئی سال بعد جب ہمارے حاجی ریاض الدین احمد صاحب دوبارہ حج کو

گئے ہیں جس کا ذکر آئندہ آئے گا تو مولوی عبدالعلی صاحب نے اس اخبار "الریاض" کو بند کر کے ویسا ہی اور اُسی وضع و شان کا اخبار "البیان" خود اپنے نام سے جاری کر دیا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی واقعہ تھا کمشنر صاحب جب پڑھ لکھ کے خوب تیار ہو گئے تو امتحان دینے کے لیے کلکتہ گئے۔ اور حاجی صاحب کو بھی ساتھ لے گئے تاکہ امتحان کے دن تک اُن سے مدد لیتے رہین۔ کلکتہ مین حاجی صاحب خان بہادر شمس العلما مولوی محمد یوسف صاحب جعفری کے مکان پر ٹھہرے۔ امتحان دینے کے زمانے تک تو مسٹر کمشنر حاجی صاحب کے بڑے دوست تھے مگر امتحان سے فارغ ہوتے ہی جیسے اُن سے کچھ سروکار ہی نہ تھا۔ اُن کو کلکتہ ہی مین چھوڑا اور بے خبر کیے وہان سے غائب ہو گئے۔ حاجی صاحب کے پاس ریل کا کرایہ بھی نہ تھا کہ واپس آتے۔ اور کوئی ہوتا تو سخت پریشان ہو جاتا مگر اُنھون نے پروا بھی نہ کی اور خان بہادر مولوی ابوالحسن خان صاحب سابق جج عدالت خفیفہ کلکتہ کے پاس گئے۔ اور نوکری کی خواہش کی۔ وہ محمڈن آرفینج پریس کے سکریٹری تھے۔ اُنھین ایک قابل اور روشن خیال مسلمان دیکھ کے اُس پریس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دیا جس کام کو پانچ چھ مہینے تک آپ نے انجام دیا۔

یہان کے زمانۂ قیام مین اتفاقاً آپ سے ایک بنگالی منجم صاحب سے ملاقات ہو گئی جنھین غیب دانی اور حکم لگانے کے بڑے بڑے دعوے تھے اور "انڈین زڈکیل" کے شاندار لقب سے مشہور تھے۔ اُنھون نے حاجی صاحب سے کہا "اگر آپ میرے پرایوٹ سکریٹری ہونا منظور کرین تو ہم آپ ہندوستان کا سفر کرین اور خوب دولت پیدا کرین۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ جو کچھ ہاتھ آئے گا اُس کا پانچوان حصہ مین آپ کی نذر کرون گا۔" حاجی صاحب نے دل مین کہا "سب کھیل کھیلے ہین ہڑدنگا نہین کھیلا۔ آؤ یہ بھی کھیل کے دیکھ لین۔" بلا تامل منظور کر لیا۔ اور زڈکیل صاحب کے ساتھ کلکتہ سے چل کھڑے ہوئے۔

پہلے بنارس مین وارد ہوئے۔ بدنصیبی سے مہاراجہ بنارس بیمار تھے اُن سے ملاقات نہ ہوئی۔ مایوس ہو کے آگے بڑھے۔ اور بھوپال پہونچے۔ نواب شاہجہان بیگم مرحومہ کا زمانہ تھا اور خان بہادر مولوی عبدالجبار خان صاحب وزیر اعظم ریاست تھے۔ اتفاقاً یہان بھی دال نہ گلی۔ بیگم صاحب بیمار تھین۔ اور وزیر صاحب ایسے لغویات مین پڑتے نہ تھے۔ یہان سے بھی بے نیل و مرام نکلے۔ اور اندور پہونچے یہان بھی مہاراجہ سے ملاقات نہ ہوئی۔ وزیر صاحب نے سو روپیہ دے کے منجم صاحب کو رخصت کر دیا۔ اور یہ پہلی فتوحات تھی جو اِس اولوالعزمی کے جہاد مین نجومی صاحب کے ہاتھ آئی۔ اور اتنی ناکامیون کے بعد ہاتھ آئی تھی کہ دونون صاحبون کو غنیمت معلوم ہوئی۔ حاجی صاحب منتظر تھے کہ خمس غنیمت مجھے ملے گا۔ نڈکیل صاحب دل مین سمجھ گئے کہ یہ جو مل گیا یہ بھی غنیمت ہے۔ اب کہین سے کچھ امید نہین۔ چپکے سے کلکتہ کھسک گئے۔ اور حاجی صاحب بیچ منجدھار مین چھوڑ دیا۔

ناکامی مین ہمیشہ خدا یاد آتا ہے۔ اور دین کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اِس نامرادی کا کچھ ایسا اثر پڑا کہ ہمارے حاجی صاحب اندور سے روانہ ہو کے مارہرے پہونچے۔ جہان مدرسے کی ماسٹری گویا آپ کے لیے خالی ہی تھی۔ آتے ہی پھر یہان کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ چھ مہینے بعد وحشت دل نے اُبھارا اور علیگڈھ پہونچے یہان اتفاقاً مولوی ولایت حسین صاحب سکنڈ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ سے ملاقات ہوئی۔ اُنھون نے صورت دیکھتے ہی کہا "آپ خوب آ گئے! یہان چندے سے ایک محمڈن فری اسکول کھلا ہے۔ اور کسی اچھے ماسٹر کے نہ ملنے سے اُس کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ آپ اُس کا انتظام اپنے ہاتھ مین لیجیے تو سنبھل جائے گا۔" حاجی صاحب نے کہا "مجھے بہ خوشی منظور ہے اور اس شرط کے ساتھ کہ پہلے مہینہ مین تو پچاس روپیہ دیجیے۔ پھر اُس کے بعد مین خود ہی چندہ وصول کر کے اپنی تنخواہ نکال لیا کرون گا۔ چندے

ین جو کچھ آئے پچاس روپیہ تک میرا ہو گا۔ اُس سے زائد جو کچھ وصول ہو گا وہ آپ کی نذر کرون گا۔ نہ ملنے کی صورت مین مین پچاس روپیہ کا بھی پابند نہ ہون گا۔ دس پانچ جو کچھ ملین گے اُسی پر قناعت کرون گا۔" اس سے آسان شرطین کیا ہو سکتی تھین؟ مولوی صاحب نے فوراً قبول کر لین۔ اور پہلے مہینے کی تنخواہ پچاس روپیہ لا کے دے دیے۔ اس کے بعد مولوی ولایت حسین صاحب کو خدا جانے کسی نے کیا بھرا یا جیسا کہ حاجی صاحب سے کسی نے بیان کیا تھا کسی دلگی باز نے اُن کے کان مین یہ ڈال دی کہ گورنمنٹ حاجی صاحب کو مشتبہ نگاہ سے دیکھتی ہے وہ گھبرا گئے۔ اور دو ہی چار روز بعد ایک دن راستے مین ملے اور کہنے لگے "آپ کی تنخواہ زیادہ ہے۔ پچاس روپیہ ماہوار سے مُنتظمین مدرسہ ناراض ہوئے۔" حاجی صاحب نے کہا "مین نے تو پہلے ہی کہہ دیا کہ جو کچھ وصول ہو گا اُسی پر بسر کر لون گا۔ دس ہون یا پانچ۔ پچاس روپیہ تو اُسی صورت مین ہین جب آمدنی کافی ہو۔" اُنھون نے کہا "یہ نہین مین یہ چاہتا ہون کہ آپ کو مقرر ہوئے جتنے دن ہوئے ہون اُن کی تنخواہ وضع کر لیجیے۔ باقی پچاس مین سے جو بچے مجھے واپس کیجیے۔" اُنھون نے کہا "معقول روپیہ اب میرے پاس کہان؟ آیا اور گیا۔" یہ کہتے ہی "السلام علیکم" کہہ کے روانہ باشد ہوئے۔ خوش نصیبی سے اُسی دن حاجی مولوی محمد یونس خانصاحب رئیس دتاؤلی ضلع علیگڑھ سے ملاقات ہوئی۔ اُنھین اپنے فرزند محمد اُنس خانصاحب کے لیے ایک اتالیق اور نگران تعلیم کی ضرورت تھی فوراً حاجی صاحب کو نوکر رکھ لیا۔ یہ صاحبزادے چونکہ بلند شہر کے ہائی سکول مین تعلیم پاتے تھے اس لیے حاجی صاحب نے بھی اُن کے ساتھ جا کے بلند شہر مین کمر کھولی۔ مگر چند ہی روز مین دل گھبرا یا۔ اور یکایک یہان سے جو غائب ہوتے ہین تو محسن آباد پنجاب کی ہوا کھا رہے تھے۔

اب پنجاب مین حاجی صاحب فقط وحشت دل کا علاج کرنے اور سیر سپاٹے کو گئے تھے۔ دل مین آئی کہ چلو ذرا مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے بھی مِل لین۔ دیکھین کس قماش کے بزرگ ہین۔ لاہور سے روانہ ہو کے

قادیان مین پہونچے۔ مرزا صاحب مرحمت و اخلاق سے ملے۔ اپنے کانگریگیشن کے رکن اعظم حکیم نورالدین صاحب مرحوم سے ملایا۔ اور پھر مرزا صاحب نے اپنے حجرے، مین جو مسجد سے ملحق تھا اپنی خلوت خاص مین جگہ دی اتنے مین نماز کا وقت آگیا۔ حکیم نورالدین صاحب نے محراب مسجد مین کھڑے ہو کے نماز پڑھائی۔ اور مرزا صاحب اپنے حجرے ہی مین کھڑے ہو گئے۔ نماز کی ایک رکعت ہوئی تھی کہ کیا دیکھتے ہین مرزا صاحب نیت توڑ کے گھر کے اندر چلے گئے۔ اور حاجی صاحب سخت حیران کہ کیا افتاد پیش آئی جو مرزا صاحب کو نماز کی نیت توڑ دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ نماز کے بعد حاضرین مسجد سے یہ واقعہ بیان کیا اور اِس کا سبب پوچھا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہین ہے۔ مرزا صاحب پر نماز مین جب کبھی وحی نازل ہوتی ہے تو آپ بیتاب ہو کے اندر چلے جاتے ہین۔

خیر جو کچھ ہو حاجی صاحب پر مرزا صاحب کا کچھ اثر نہین پڑا۔ اور اُن کی طرف سے زیادہ بدظن ہو کے لاہور مین واپس آگئے۔ یہان کسی اخبار مین ایک اشتہار پر نظر پڑی جو مولوی محمد صدیق صاحب منیجر اکسپرس اخبار لکھنؤ کی طرف سے تھا۔ اور اُس مین لکھا تھا کہ "جوار لکھنؤ کے ایک معزز تعلقدار صاحب کو پرایویٹ سکریٹری کی ضرورت ہے"۔ انھون نے فوراً لکھ بھیجا "یہ خدمت مجھے خوشی سے منظور ہے۔ آپ ٹھیک کر کے اطلاع دیجیے"۔ اُنھون نے تار کے ذریعہ سے جواب دیا کہ "آپ کا تقرر ہو گیا۔ بے تکلف چلے آئیے۔ اور فوراً آئیے"۔ یہ تار پاتے ہی حاجی صاحب لکھنؤ مین آگئے۔ مولوی محمد صدیق صاحب نے رات ہی کو راجہ صاحب جہانگیرآباد کی کوٹھی پر بھیج دیا۔ جہان کھایا پیا۔ اور بڑے آرام سے سوئے۔ صبح کو آنکھ کھلی تو راجہ صاحب موصوف کا ایک آدمی سامنے کھڑا تھا جس نے کہا "راجہ صاحب آپ سے بہت نادم ہین"۔ اُنھون نے کہا "مین نے ابھی اُن کی صورت تک تو دیکھی نہین۔ ان کے نادم ہونے کی وجہ؟" جواب ملا "رحمی اُنھین نے آپ کو اپنا سکریٹری مقرر کر کے بلایا تھا۔ اپنے پہلے سکریٹری سے وہ بہت ناراض ہو گئے تھے۔ اور ہرگز ارادہ نہ تھا کہ اُنھین پھر اپنے پاس رکھین۔ مگر نواب محسن الملک بہادر اور دیگر معززین کی سفارش

سے مجبور ہو گئے اور اُن کا قصور معاف کر کے پھر رکھ لیا" یہ کہہ کے اُس شخص نے پچاس روپیہ حاجی صاحب کے ہاتھ مین رکھے۔ اور کہا" یہ آپ کی اِس زحمت کا معاوضہ ہے" حاجی صاحب کو بھلا ایسی بات کا کیا خیال ہو سکتا تھا۔ بڑی خوشی سے روپے لے کے جیب مین رکھے۔ شگفتگی سے کڑک کے کہا" السلام علیکم" اور راجہ صاحب کی کوٹھی سے نکل کے" ملک خدا تنگ نیست پاے مرا لنگ نیست" کہتے ہوے شہر کی سڑکون کی ہوا کھانے لگے۔

لیکن اس دفعہ لکھنؤ مین قدم ٹکانے کا موقع نہین ملا۔ فوراً ریل پر سوار ہو کے بھوپال پہونچے۔ اور جاتے ہی وہان کے ہائی اسکول کے سکنڈ ماسٹر ہو گئے۔ لیکن قبل اس کے کہ حاجی صاحب اس ملازمت سے اُکتا کے کسی اور طرف توجہ کرین بھوپال کا گزیٹیر تیار کرنے کا اہم کام اُن کے سپرد ہوا۔ اس تاریخی کام کو شروع ہی کیا تھا کہ کسی سے خبر ملی حیدرآباد دکن کے ملا عبدالقیوم حجاز ریلوے کے لیے فراہمی چندہ کی کوشش کر رہے ہین۔ ایسی قومی خدمت اور ایسے کار خیر کو سنتے اور دل مین ولولہ نہ پیدا ہوتا؟ سب چھوڑ چھاڑ بے تکلف حیدرآباد کی راہ لی۔ مُلا صاحب نے حاجی صاحب کو اپنا سفیر و نائب بنا کے مسلمانان ہند کے پاس روانہ کیا۔ چنانچہ اسی خدمت کے انجام دینے کے لیے آپ لکھنؤ آئے۔ اور چند معززین شہر کو آمادہ کر کے ایک جلسہ کیا مگر بعض حضرات نے مخالفت کی۔ اور لوگون کا رنگ بدلا دیکھ کے آپ برخاستہ خاطر ہو ہی رہے تھے کہ سُنا نواب یا نواب ضلع پرتاپگڈھ کے تعلقدار خان بہادر شیخ احمد حسین خان صاحب مذاق کو ایک اتالیق کی ضرورت ہے۔ بے تکلف درخواست پیش کر دی جو منظور ہوئی اور آپ وارد پرپاانوان ہوئے۔

یہان پہونچنے کے آٹھوین دن حاجی صاحب نے ایجوکیشنل کانفرنس کی شرکت کے لیے ایک ہفتہ کی چھٹی مانگی۔ خان بہادر نے کہا" کانفرنس کی شرکت کے لیے تو مین چھٹی نہ دون گا"۔ انھون نے کہا" تو مین اُس رئیس کی نوکری نہین کر سکتا جو کانفرنس کے لیے چھٹی نہین دیتا"! اور بے تکلف چلے آئے۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

"ناچنے کی اُستادی اگرچہ مردون ہی مین مخصوص ہی۔ مگر علی العموم جس وسعت اور تعمیم کے ساتھ گانے والی رنڈیون نے اس فن کو ترقی دی مردون سے ممکن نہین ناچنے کو عورتون کے ساتھ خصوصیت اور موزونیت بھی زیادہ ہی یہ چیز ایک حد تک ہندوستان کے ہر شہر مین نظر آئے گی۔ مگر جیسی باکمال ناچنے اور بتانے والی رنڈیان لکھنؤ مین پیدا ہوئین شاید کسی شہر مین نہ ہوئی ہون گی۔ آج سے چالیس سال بیشتر لکھنؤ کی ایک مشہور رنڈی "منصرم والی گوہر" نے کلکتہ مین جا کے نمود حاصل کی تھی مین نے ایک محفل مین اُس کا رنگ یہ دیکھا کہ کامل تین گھنٹہ تک ایک ہی چیز کو ایسی خوبی سے بتاتی رہی کہ حاضرین محفل (جن مین ٹمیا برج کے تمام باکمال ڈھاڑی اور معزز لوگ موجود تھے) اول سے آخر تک محو حیرت و سکوت تھے۔ اور کوئی بچہ بھی نہ تھا جو ہمہ تن غرق نہو۔ زہرہ و مشتری شاعرہ اور صاحب کمال گانے والیان ہی نہین بے نظیر رقاصہ بھی تھین۔ جنھون نے ایک مدت تک زمانے کو اپنے رقص و سرود کا گرویدہ رکھا ہے۔

یہان کی رنڈیان عموماً تین قومون کی تھین سب سے اول کنچنیان جو اصلی رنڈیان تھین اور اُن کا پیشہ علے العموم عصمت فروشی تھا۔ دہلی اور پنجاب اِن کے اصلی مسکن تھے جہان سے اُن کی آمد شجاع الدولہ ہی کے زمانے سے شروع ہو گئی۔ شہر کی نامی رنڈیان اکثر اسی قوم کی ہین۔ دوسرے چونے والیان۔ اُن کا اصلی کام چونا بیچنا تھا مگر بعد کو بازاری عورتون کے گروہ مین شامل ہو گئین۔ اور آخر مین اُنھون نے بھی بڑی نمود حاصل کی۔ چونے والی حیدر جس کے گلے کا شہرہ تھا۔ اور سمجھا جاتا تھا کہ اُس کا سا گلا کسی نے پایا ہی نہین اِسی قوم کی تھی۔ اور اپنی برادری کی رنڈیون کا ایک بڑا گروہ رکھتی تھی۔ تیسری ناگرنیان۔ یہ تینون وہ شاہان بازار ہین جنھون نے اپنے گروہ قائم کر لیے ہین۔ اور برادری رکھتی ہین۔ ورنہ بہت سی اور قومون کی عورتین بھی آوارگی مین پڑنے کے بعد اِسی گروہ مین شامل ہو جاتی ہین۔

گویون اور ناچنے والون کے بعد یہان اُسی نوعیت کا ایک اور گروہ بھی ہے جس کا نشو و نما لکھنؤ مین بہت ہوا۔ اور اُسے لکھنؤ کے ساتھ مخصوص کہا جاے تو شاید غلط نہ ہو گا وہ رہس والے ہین۔ رہس خاص متھرا اور برج کا فن ہے۔ وہین کے رہس دھاریون نے آ آ کے لکھنؤ کو اس کا شوق دلایا۔

واجد علی شاہ کو جب رہس پسند آیا تو اُنھون نے اپنے مذاق اور اپنے خیالی پلاٹ کا ایک نیا رہس تیار کیا۔ اُس کو دیکھتے ہی رعایا مین اس بات کا خاص شوق پیدا ہوا کہ عاشقانہ قصے جو اُن دنون پریون کے حسن و عشق سے زیادہ وابستہ تھے عملی صورت مین دکھاے جائین۔ پبلک کا یہ رجحان دیکھ کے میان آمانت نے جو رعایت لفظی مین کمال رکھنے والے ایک مشہور شاعر تھے، نئی اندر سبھا تصنیف کی۔ جس مین ہندون کے دیومالا مین مسلمانون کے فارسی مذاق کی آمیزش کا پہلا نمونہ نظر آیا۔

یہ اندر سبھا جیسے ہی شہر مین دکھائی گئی ہر شخص والہ و شیدا ہو گیا۔ یکایک بیسون سبھائین شہر مین قائم ہو گئین۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کا اس قدر رواج ہوا کہ گویون اور ناچنے والی رنڈیون کا بازار چند روز کے لیے سرد پڑ گیا۔ اب امانت کے سوا اور بہت سے لوگون نے نئی سبھائین بنانا شروع کین۔ جن مین اردو شاعری چاہے بگڑتی ہو مگر زبان منجتی اور پورب کی دیہاتی اور ہندوا ہل تمدن کی آبادی مین سرایت کرتی جاتی تھی۔ اِس مذاق نے ڈراما اور تھیٹر کی مضبوط بنیاد ڈال دی تھی اور اگر چند روز اور شاہی کا دور رہتا تو بہت اچھے اصول پر خالص ہندوستانی ناٹک ایک خاص صورت پیدا کر لیتا جو بالکل اچھوتی اور ہندوستانی مذاق مین ڈوبی ہوتی۔

مگر یکایک مہذب سوسائٹی کو جس مین پرانی موسیقی گھر کر چکی تھی ان کھیلون مین ابتذال نظر آیا۔ فن موسیقی کے شوق نے شرفا کو پھر گویون اور مجری کرنیوالے طائفون کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور یہ چیزین جو ناٹک کی شان رکھتی تھین عوام الناس اور بازاری لوگون ہی تک محدود رہ گئین۔ مگر اگلے ذوق نے شہر مین اُس مذاق کو عملی صورت مین دکھانے والا ایک خاص گروہ پیدا کر دیا۔ جن کو آج کل کی اصطلاح مین ایکٹر کہا جاے تو زیادہ مناسب ہو گا۔ ہمارے یہ ایکٹر پہلے تو مهذب

سوسائٹی کی قدردانی سے زبان اردو مین ترقی کرتے جاتے تھے مگر چونکہ اُن کا شمار ادنی درجہ کے بازاری لوگون ہی مین رہ گیا ہو اس لیے وہ مہذب زبان چھوٹ گئی بازاری زبان مین آج کل بھی یہ لوگ بیسیون طرح کے پرفارمنس دکھاتے ہین۔

ہمارے اِن ایکٹرون کے مبتذل ہوجانے کا سب سے بڑا سبب یہ ہوا کہ بمبئی کے پارسیون نے انگریزی مذاق کے تھئیٹر کھڑے کیے۔ جن مین سچ یہ ہو کہ نہ فن موسیقی ہی تھا اور نہ صحیح ایکٹ بگراُن کی صفائی۔ ترتیب۔ طلسم نمائی اور اُن کے زرق برق پردون نے ہمارے قومی ڈراما کا جو ایک بچے کی طرح ہنوز گہوارے مین تھا گلا گھونٹ دیا۔ اعلی سوسائٹی کے لوگ ناٹکون کی شان داری پر فریفتہ ہو کے صحیح مذاق کو بھول گئے۔

سچ یہ ہو کہ بمبئی کے تھئیٹرون نے ہندوستان کو بہ لحاظ فنون رقص و سرود کے بیحد نقصان پہونچادیا۔ سب سے پہلے موسیقی کو تباہ کیا۔ اور ایسی وضع کے بے اصول نغمون کو اختیار کر کے بازارون مین پھیلادیا جن سے زیادہ مہمل کوئی چیز نہین ہوسکتی اِس کے بعد اُس نے ہمارے رقص کو جو ایک بہت ہی اعلی درجہ کا فن تھا مٹانا چاہا۔ اور اپنے اسٹیج پر ناچ کے نام سے یورپ کے "ورل" کو رواج دیا۔ جس مین چند لڑکے اپنی ترتیب اور وضع بدل کے ایک خاص دلچسپی پیدا کردیا کرتے ہین لیکن ہرس والون کا موسیقی اور ایکٹ اگرچہ دونون ناقص ہین مگر وطنی رنگ مین ڈوبے ہین اور قومی مذاق رکھتے ہین۔ اُن کے چھوڑنے کی نہین بلکہ اُن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

خریداران دل افروز کو اطلاع

دل افروز کا پہلا سال ختم ہوگیا۔ اور اپریل سنہ ۱۹۱۶ء سے دوسرا سال شروع ہوگا۔ لہذا اپریل سنہ ۱۹۱۶ء کا دلگداز کل خریدارون کی خدمت مین چندہ سنہ بعد دو روپیہ آٹھ آنے (۱۲؍) پر وی۔ پی حاضر ہو جن صاحبون کو نہ لینا ہو براہ کرم پہلے سے منع فرمادین۔ دونون ناول "منتقم" "تاج" اور "پاداش عمل" جلد اول تیار ہو چکے ہین۔ جن صاحبون کو ضرورت ہو منگوالین۔ قیمت ہر ایک کی ۱۲؍ اپنے سیٹ خریدار پاداش عمل کو ضرور منگوالین۔ اِس لیے کہ اس ناول کا سلسلہ سال آیندہ مین جاری رہے گا۔

ملتمس خاکسار۔ محمد سراج الحق (حکیم) منیجر دلگداز۔

تصانیف مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر

(تاریخ)

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات ۸ عہ

(۲) ابوبکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات۔ عہ

(۳) تاریخ سندھ عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ جلد اول عہ جلد دوم ۱۲

(۴) عصر قدیم۔ اقوام سلف کی نہایت واضح تاریخ (لائبریری ایڈیشن نمبر ۴) ۱۲

(۵) حروب صلیبیہ انگریزی سے ترجمہ اور عربی تحشی ۱۲

(۶) افسانہ قیس۔ مجنون عامری کے حالات۔ (لائبریری ایڈیشن نمبر ۱) ۳

(۷) حسن بن صباح۔ باطنیہ اسماعیلیہ کا بانی اور بمبئی کے خوجوں کی اصلیت (لائبریری ایڈیشن نمبر ۳) ۶

(۸) سکینہ بنت حسین جناب سکینہ کے حالات زندگی ۶

(۹) خواجہ معین الدین چشتی ۶

(۱۰) ملکہ زنوبیہ۔ سلف کی ایک عربی نژاد ملکہ ۲

(۱۱) آغائی صاحب رئیس مرحوم کے حالات۔ عہ

ناول

(۱۲) فلورا فلورنڈا۔ اندلس میں سلطنت عرب (لائبریری ایڈیشن نمبر ۶) عہ

(۱۳) فلپانا۔ عہد صحابہ کا ایک سچا واقعہ یعنی (لائبریری ایڈیشن نمبر ۷) عہ

(۱۴) رومتہ الکبریٰ۔ روم پر گاتھ لوگوں کا حملہ ۱۲

(۱۵) زوال بغداد۔ دولت عباسیہ کا استیصال ۱۲

(۱۶) ماہ ملک۔ غوریوں کا عروج۔ ۱۲

(۱۷) یوسف نجمہ کامل۔ جگ بیتی نہیں آپ بیتی۔ عہ

(۱۸) فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ۔ ۱۲

(۱۹) فردوس بریں جیتے جی جنت کی سیر۔ ۸

(۲۰) غیب دان دولھن حیرت انگیز غیب دانی۔ عہ

(۲۱) حسن کا ڈاکو حرام پور کے نواب کی سرگزشت حصہ اول ۱۲ حصہ دوم۔ ۱۲

(۲۲) اسرار دربار حرام پور۔ حرام پور کے نواب کے اور حالات نمبر (۱) ۵ نمبر (۲) ۵

(۲۳) خوفناک محبت۔ ہندوستانی شریف زادیوں کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی۔ ۱۲

(۲۴) الفانسو۔ جزیرہ سسلی (صقلیہ) کے قدیم حالات کا ایک تاریخی واقعہ عشق نہایت سچے اور موثر جذبات۔ ۱۲

متفرق

(۲۵) الحکم الرفاعیہ۔ معرفت میں سید احمد رفاعی کے ایک پُرمغز رسالہ کا ترجمہ۔ ۳

(۲۶) سرسید کی دینی برکتیں۔ ۲

دلگداز کی جلدیں

(۲۷) جلد سنہ ۱۹۰۰ء عہ	(۳۱) جلد سنہ ۱۹۰۶ء عہ	(۳۵) سنہ ۱۹۱۳ء ۱۲
(۲۸) جلد سنہ ۱۹۰۱ء عہ	(۳۲) جلد سنہ ۱۹۱۰ء عہ	(۳۶) سنہ ۱۹۱۴ء عہ
(۲۹) جلد سنہ ۱۹۰۴ء عہ	(۳۳) جلد سنہ ۱۹۱۱ء عہ	(۳۷) سنہ ۱۹۱۵ء عہ
(۳۰) جلد سنہ ۱۹۰۵ء عہ	(۳۴) جلد سنہ ۱۹۱۲ء عہ	

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

معاشرت۔ انگریزی کی گلستان سر جان لبک کی مشہور کتاب "یوز آف لائف" کا ترجمہ ۱۲

پاداش عمل۔ ایک نہایت ہی دلچسپ ناول موسوم بہ "کنتھ" کا ترجمہ جسے چودھری محمد صدیق حسین صاحب نے نہایت ہی خوبی و فصاحت سے ترجمے کے دل فریب میں شستہ جاری ...

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

سب ایڈیٹر

مولوی محمد صدیق حسن صاحب

مینیجر و پبلشر

انکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

دلگداز پریس میں چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان سے شائع ہوا

حاجی ریاض الدین احمد

اب ہمارے حاجی صاحب کو ہمارے تنے اور بانکے خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر سے سابقہ پڑا۔ اُنھون نے آپ کو اٹاوے مین بلایا۔ اور اپنے اسلامیہ ہائی اسکول کا ہیڈ ماسٹر اور اسلامی بورڈنگ ہاوس کا منتظم مقرر کر لیا۔ مولوی بشیر الدین آپ کی شان بیقراری سے خوب واقف تھے کہا! اب آپ یہین رہین اور یہین مرین۔ بورڈنگ ہوس کے صحن مین آپ کی قبر بنے گی۔ اور اُس پر یہ کتبہ لگایا جائے گا کہ "یہ وہ شخص ہے جس نے کہین قرار نہ پکڑا مگر یہان زبردستی روکا گیا۔" ع سر شوریدہ بر بالین آسایش رسید اینجا + حاجی صاحب نے اِس شرط کو بھی قبول کر لیا مگر اپنی طرف سے یہ شرط پیش کی کہ "آپ نماز پابندی سے پڑھا کیجیے۔ اگر کبھی آپ نے نماز قضا کی تو مین بھی بے پوچھے چلا جاؤنگا۔" مولوی بشیر الدین صاحب نے بھی یہ شرط قبول کر لی۔ اور دونون اپنی ذمہ داریان پوری کرنے مین مصروف ہو گئے۔ مولوی بشیر الدین صاحب صبح کو دن چڑھے تک سویا کرتے تھے۔ حاجی صاحب نے معمول کر لیا کہ روز اُنھین جگا کے شریک جماعت کرتے۔ اتفاقاً مارسن صاحب پرنسپل علیگڈھ کالج کے رخصت کے جلسہ مین شریک ہونے کی غرض سے دونو صاحب علیگڈھ گئے۔ رات وہین بسر ہوئی صبح کو مولوی بشیر الدین صاحب پڑے سویا کیے اور حاجی صاحب اُن کو ویسے ہی سوتا چھوڑ کے غائب ہوئے تو علیگڈھ بھر مین پتہ نہ تھا۔

حاجی صاحب چھپتے چھپاتے بھوپال پہونچے۔ اب رئیسۂ حال نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ کا عہد معدلت مہد تھا۔ وہ کسی کو اپنی والدۂ محترمہ کے حج بدل کے لیے

مکۂ معظمہ بھیجنا چاہتی تھین - حاجی صاحب نے کہا "اس دینی کام کو مین بڑی خوشی سے انجام دونگا" بیگم صاحبہ نے قبول کیا - اور آپ اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے ارض مقدس حجاز کو روانہ ہوئے کامیابی و جوش عقیدت سے دوسرا حج کر کے ہندوستان مین آئے تو خدا جانے کیونکر ضلع بارہ بنکی (اودھ) کے قصبہ ردولی مین پہونچے اور وہان کے انگریزی مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے - اور ردولی کی خوش نصیبی سے اتنے دنون قیام رہا کہ دوسرے سال کا موسم حج قریب آ گیا - اتفاقاً یہان چودھری خلیل الرحمن صاحب اپنی مرحوم بیٹی کی طرف سے ایک حج کرانا چاہتے تھے - اُنھون نے اس کا حاجی صاحب سامنے تذکرہ کیا آپنے فوراً اپنے تئین پیش کیا - چودھری صاحب نے پسند کیا اور آپ اب تیسرے حج کے لیے عازم ارض عرب ہوئے -

اس تیسرے حج سے واپس آنے کے بعد آپ کا گزر علیگڈھ مین ہوا - اتفاقاً حاجی محمد یوسف خان صاحب رئیس بڑا سی نے کہا "ہمارے ضلع کے قصبے چھرے مین ایک اسکول اور بورڈنگ ہاؤس ہے اُس کے لیے ایک منتظم اور ہیڈ ماسٹر کی ضرورت ہے - ہمارے حاجی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق فرمایا مین حاضر ہون - اُنھون نے فوراً انتظام کر کے چھرے بھیج دیا - اتفاقاً اس اسکول مین ایک نوجوان سکنڈ ماسٹر تھے - اُن کو حاجی صاحب کا آنا ناگوار ہوا - اس لیے کہ وہ خود ہیڈ ماسٹری کے آرزومند تھے - حاجی صاحب کے پریشان کرنے کے لیے اُنھون نے لڑکون سے سازش کی - اور ایسا بہکایا کہ سب نے اسٹرائک کر دی - اِس کی تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ سارا کیا دھرا اُن سکنڈ ماسٹر صاحب کا ہے - اس کی رپورٹ حاجی صاحب نے حاجی محمد یوسف خان کو کی - اور اسٹرائک کے تمام واقعات قلمبند کرنے کے بعد لکھا "مین اِن سکنڈ ماسٹر کے ساتھ کام نہین کر سکتا" اُنھون نے اِس رپورٹ کی طرف چندان توجہ نہ کی اور ہمارے حاجی صاحب مدرسہ چھوڑ کے چل دیے -

چھرے کی ملازمت مین ایک دن اخبار پانیر مین ایک نوٹ دیکھا کہ "ترکستان کے شہر اندکوئی مین زلزلہ آیا - گورنر جنرل تاشقند نے جا کے وہان کی تباہی زدون کی حالت دیکھی اور غریبون کی امداد کی" یہ خبر پڑھ کے ہمارے حاجی صاحب کے دل

مین ایک ولولہ پیدا ہوا - اور جوش مین آ کے گورنر جنرل تاشقند کو ایک خط لکھ بھیجا جس مین اُس کی اس ہمدردی کا مسلمانان ہند کی جانب سے شکریہ ادا کیا - اور آخر مین اتنا اور لکھ دیا کہ روسی فوج کے افسرون کو زبان اردو کی تعلیم کی ضرورت ہو - اگر آپ کے وہان یہ ضرورت تسلیم کیجاتی ہو تو مین حاضر ہوکے اِس خدمت کے انجام دینے کو تیار ہون "
اِس کا جواب آپ نے بھوپال مین بمبئی کے سفیر روس کے ذریعہ سے طلب کیا تھا -

یہ خط بھیجنے کے پندرہ دن بعد چھترے کی ملازمت ترک کرکے آپ جزیرہ راس کماری اِ مین پہونچے - اور وہان جاتے ہی سمندر کے کنارے شہر پوربندر مین مدرسہ اسلامیہ کے ہیڈ ماسٹر ہوگئے وہین تھے کہ بھوپال اور بریلی سے واپس ہوکے آپ کو سفیر دولت روس متعینہ بمبئی کا تار ملا جس کا مضمون یہ تھا کہ " آپ کی درخواست منظور ہوگئی - مجھ سے بمبئی مین آکے ملیے - آمد و رفت کا کرایہ یہان سے دیا جائے گا "
خوش خوش بمبئی پہونچے - سفیر روس سے ملے - اور اُسے اپنے سرٹیفکٹ دکھائے - وہ دل کے خوش ہوا اور اِن کے تقرر کی سفارش کردی - جس کی منظوری بھی آگئی مگر اس ملازمت مین شرط یہ تھی کہ تین سال تک ترکستان مین رہنا ہوگا - سو روبل (سوا دو سو روپیہ) تنخواہ دیجائے گی - اور سفر خرچ کے لیے چھ سو جاتے وقت اور چھ سو روپیہ واپس آتے وقت ملین گے - لیکن اگر آپ نے تین سال کے اندر آنا چاہا تو واپسی کا سفر خرچ نہ ملے گا -

ترکستان کا ملک نقشہ مین دیکھیے تو ہندوستان سے قریب معلوم ہوتا ہے - پشاور سے افغانستان مین جائیے - اور افغانستان کے اُس طرف شمال و مغرب مین ترکستان ہی - مگر یہ راستہ اِس قدر خطرناک اذیت رسان - اور ناقابل برداشت ہو کہ کسی کو ادھر سے جانے کی جرأت نہین ہو سکتی - آسان راستہ بہت دور کا اور دنیا بھر کا چکر کھا کے ہے - یہان سے مصر ہوتے ہوئے قسطنطنیہ جائیے قسطنطنیہ سے بحر اسود مین سفر کرکے اُس کے مشرقی بندرگاہ باطوم مین اتر لیجیے - وہان سے ریل پر سوار ہوکے کوہ قاف کے دامن دامن تفلیس ہوتے ہوئے شہر باکو مین جائیے - جو بحر خزر (کیسپین سی) کے کنارے ہے - وہان سے جہاز پر سوار ہو کے اُس سمندر کے مشرقی ساحل پر اُتر کے ریل پر بیٹھیے اور تاشقند پہونچیے -

سفر نہایت ہی دلچسپ اور بڑے لطف کا تھا۔ مگر حاجی صاحب کو دل مین اندیشہ ہوا کہ مجھے تین سال تک رہنا عذاب ہو جائے گا۔ اور اِس مدت کے درمیان مین آنا چاہون تو کرایہ نہ ملے گا۔ اور وہان کرایہ کی کوئی اور صورت ہونا امکان سے باہر ہے۔ آخر یہی فیصلہ کیا کہ مجھے اس پابندی سے بچنا چاہیے۔ اپنے بھائی حاجی خلیل الدین احمد صاحب کو بلا کے سفیر روس سے ملا دیا۔ اور کہا "میرا جانا تو دشوار ہے۔ آپ سفارش کر کے انھین وہان بھجوا دیجیے"۔ اُس نے منظور کیا۔ اور حاجی صاحب بھائی کو روسیون کے ہاتھ رہن رکھ کے پھر جولانیان دکھانے لگے۔

حاجی خلیل الدین احمد صاحب ترکستان مین جا کے بڑے آرام سے رہے۔ حکام روس اُن سے بہت ہی اچھی طرح اور بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ اور تین سال بعد بڑی عزت سے رخصت کیا۔ مگر اُن کے روس جاتے ہی ہمارے حاجی ریاض الدین احمد صاحب نے سُنا کہ اُن کے پرانے دوست آنریبل مرزا عباس علی بیگ ریاست جوناگڈھ کے دیوان ہین۔ اُنھین لکھا "ہمین نہین بلائیے گا"۔ اُنھون نے جواب دیا کہ "بے تکلف چلے آئیے"۔ اور جیسے ہی یہ پہونچے انھین وہان مدرسہ کا سکنڈ ماسٹر مقرر کر دیا۔

اس تعلق کو جو ایسے شوق سے حاصل کیا گیا تھا چند ہی روز گذرے تھے کہ معلوم ہوا رنگون کے تاجر اعظم سیٹھ عبدالکریم جمال کو ایک انگریزی دان مسلمان کی ضرورت ہے۔ خبر پاتے ہی حاجی صاحب نے درخواست بھیج دی۔ اور سیٹھ صاحب کو ایسے قابل قدر مسلمان کا مِل جانا اس قدر غنیمت معلوم ہوا کہ تار کے ذریعہ سے منظوری کی اطلاع دی۔ تار ہی پر سفر خرچ کے لیے روپیہ بھیج دیا۔ اور سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر دی۔ حاجی صاحب کو جاتے کیا دیر لگتی تھی؟ جا پہونچے۔ اور کام کرنے لگے۔ اس تعلق کو ایک مہینہ ہی ہوا تھا کہ سیٹھ صاحب نے ایک دن حاجی صاحب کو اپنے دفتر مین بلا کے کہا "آپ کو تجارت کا کام تو آتا نہین ہے۔ میرے بھتیجون کو پڑھا دیا کیجیے۔ اور اِس کی تنخواہ مین پھتر روپیہ مہینہ دونگا"۔ حاجی صاحب نے کہا "نوکری مین آج تک مین نے کبھی تنزل نہین گوارا

کیا ہے۔ کام جو کیجیے کر دن گا مگر تنخواہ مین کمی نہین ہو سکتی۔" اُنھون نے کہا "تو پھر ہم آپ کو نوکر نہین رکھ سکتے۔" جواب دیا "بہت خوب۔ خدا حافظ۔" اور اُٹھ رہے تھے کہ سیٹھ صاحب کو یاد آیا حاجی صاحب آتے ہی چار سو روپیہ ان قرض لے چکے ہین۔ کہا "وہ روپیہ تو لائیے۔" جواب دیا "روپیہ میرے پاس کہان؟ نوکری کرتا تو دیتا۔" سیٹھ جی یہ جواب پا کے خاموش ہو رہے۔ اور حاجی صاحب "السلام علیک" کہہ کے رنگون مین گشت لگانے لگے۔

اسی گشت مین وہان میمنون کا ایک اسلامی سکول مل گیا۔ وہان گئے اور سو روپیہ ماہوار پر ماسٹر مقرر ہو گئے۔ چند ہی روز نوکری کی تھی کہ کسی نے کہا "یہان سال مین پورے سات مہینے برسات رہتی ہے۔ اور شدید بارش ہوتی ہے۔" سنتے ہی گھبرا اُٹھے۔ دل مین کہا "یہ سات مہینون کی برسات کون جھیلے گا؟" اُسی وقت نوکری چھوڑ دی۔ اور جہاز پر بیٹھ کے گھر کا راستہ لیا۔

اب جو گھر مین آئے تو دو چار روز بعد مرادآباد گئے۔ اور جاتے ہی مسلم ہوئی اسکول کے تھرڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ اس مدرسہ کی تعلیم مین مصروف تھے کہ مولوی انوار الحسن اور مولوی نور الحسن صاحب رئیسان کاکوری سے ملاقات ہوئی۔ جو سفر حج کے لیے تیار تھے۔ اُنھون نے باتون باتون مین کہا "ہم اپنے والد مرحوم کی جانب سے ایک حج کرانا چاہتے ہین اور اس غرض کے لیے کسی معقول دیندار آدمی کی ضرورت ہے۔ حاجی صاحب نے کہا "مین موجود ہون۔ اور اگر آپ مجھے پسند کرین تو اپنی خوش نصیبی سمجھون گا۔" اُنھون نے قبول کیا۔ اور آپ فوراً نوکری کو بالائے طاق رکھ اُن کے ساتھ ہو لیے۔ اور اُن نہایت ہی شریف النفس اور دیندار نوجوانان قوم کا ساتھ تھا۔ حاجی صاحب کا بیان ہے کہ "اسلامی معاشرت دینداری۔ اور نیک نفسی کا بہترین نمونہ اپنی زندگی مین مین نے اِنھین دونون صاحبون کو پایا۔ کوئی تعلیم یافتہ مسلمان جو تہذیب و پابندی شرع مین اُن کا ہم پایہ ہو میری نظر سے نہین گزرا۔"

اس چوتھے حج سے واپس آکے حاجی صاحب پھر مارہرے پہونچے۔ اور مدرسہ اسلامیہ کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ اِن دنون دہلی کے ایک دولتمند

پنجابی تاجر کو اپنے فرزند کی تعلیم کے لیے ایک اتالیق کی ضرورت تھی حاجی صاحب نے اپنا نام پیش کیا۔ اور منظور کیا گیا۔ اُس لڑکے کی تعلیم شروع کی تھی کہ دولتمند باپ نے حاجی صاحب کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ "میرے بیٹے کو (جو سات آٹھ سال کا تھا) آپ پانچ سال مین مڈل کا امتحان پاس کرا دیجئے تو مین آپ کو پانچ سو روپیہ ماہوار دونگا"۔ حاجی صاحب کو یہ شرط لغو معلوم ہوئی۔ اور دل مین کہا۔ سوداگر صاحب جانتے ہی نہین کہ تعلیم کیا چیز ہے۔ مہینہ ہی بھر پڑھایا تھا کہ دل اُچاٹ ہو گیا۔ اور بلا تامل چھوڑ کے چلے گئے۔

راستہ مین سُنا کہ چودھری لیاقت علی صاحب رئیس مہنڈو ضلع ہاترس کو اپنے لڑکے کے لیے کسی اتالیق کی ضرورت ہے۔ خط و کتابت سے طے کیا اور مہنڈو مین پہونچے۔ مگر اُس گاؤن مین دل نہ لگا۔ دو ہی روز بعد بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب آپ امروہہ کے مسلم اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ یہان حاجی صاحب کا دل لگا۔ اور اپنی مستعدی و کوشش سے اُس مدرسہ کو بڑی ترقی دی۔ اتفاقاً سُنا کہ اُن کا اکلوتا بیٹا معین الدین سخت بیمار ہے۔ بلا تامل نوکری چھوڑ دی۔ گھبرائے ہوئے گھر آئے۔ فرزند کے علاج مین جہان تک بنا دوڑ دھوپ کی۔ مگر تقدیر سے کون لڑ سکا ہے؟ علاج کا اُلٹا اثر ہوا۔ اور کوئی تدبیر کارگر نہوتی تھی۔

از قضا سرکنگبین صفرا فزود روغن بادام خشکی می نمود۔

آخر ۱۹۱۴ء ماہ اپریل مین سفر آخرت کیا۔ اور حاجی صاحب کے دل کو ایسا داغ دیا کہ اُن کے جسمانی و دماغی قوی کمزور پڑ گئے۔ دل بُجھ سا گیا۔ اور وہ جوش دل جو کہین قدم نہین ٹکانے دیتا تھا سُست پڑ گیا۔

فرزند کے دوران مرض مین بھی آپ نے ایک نوکری کی۔ خان بہادر غلام محی الدین حیدر رئیس شیخوپور ضلع بدایون کے اتالیق مقرر ہوئے۔ مگر فرزند کی فکر دل دماغ پر اس قدر حاوی ہو رہی تھی کہ تقرر کے ایک ہی ہفتہ بعد دل گھبرایا۔ بھاگے اور گھر ہی آکے دم لیا۔ صاحبزادے کی وفات کے بعد حاجی صاحب گورکھپور کے اسلامیہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو کے پورب مین آئے۔ اور وہان ایسا دل

لگا کہ اُسے خوب ترقی دی۔ مسلمانون کو بچون کی تعلیم پر آمادہ کیا۔ اور طلبہ کی تعداد بہت بڑھائی۔ مگر اس نوکری کو تھوڑا ہی زمانہ ہونے پایا تھا کہ بیمار پڑے۔ اور وہ بیماری ترک تعلق کا بہانہ ہوگئی۔ گھر واپس آئے۔ اور تین مہینہ تک کسی طرف کا قصد نہین کیا۔

لیکن کب تک؟ بھوپال کا ارادہ کرکے گھر سے چلے۔ مگر دہلی ہوتے ہوئے گئے۔ تفریحاً دہلی مین اُتر پڑے وہان محلہ فراش خانہ کے مدرسہ مظہر الاسلام کے لیے ہیڈ ماسٹر کی ضرورت تھی۔ آپ سے زیادہ تجربہ کار ماسٹر کہان نصیب ہوسکتا تھا؟ فوراً مقرر کرلیے گئے۔ اور اسی زمانے مین اخبار ہمدرد کی مترجمی کا کام بھی کرنے لگے۔ تین چار مہینہ بعد ہمدرد بند ہوگیا۔ آمدنی مین جو کمی ہوئی تو آپ نے مدرسہ کی بھی نوکری چھوڑ دی۔

اتفاقاً نومبر ۱۹۱۴ء کے دلگداز مین "اکرمُواعزیزۃ قوم ذلّ" کے عنوان سے ایک مضمون نکلا تھا جس مین یادگاران خاندان مغلیہ کی تباہ حالت دکھا کے مسلمانون کو بتایا گیا تھا کہ اُن کے بچون کو تعلیم دلانا اور اُنھین سنبھالنا ہمارا قومی فرض ہے۔ اس مضمون نے حاجی صاحب کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ آپ نے اسی خدمت کے انجام دینے کا بیڑا اٹھالیا۔ اور مستعد ہوگئے کہ دہلی مین ایک مدرسہ کھول کے قدیم شاہی خاندان کے بچون کو تعلیم دین۔ اس کے لیے قوم سے مدد مانگی۔ اشتہارات شائع کیے۔ مگر کچھ نتیجہ نہ ہوا۔ مگر اب بھی وہ اسی دُھن مین ہین۔ اگرچہ بسر اوقات کے لیے اُنھین دہلی سے چلا آنا پڑا۔

دہلی سے روانہ ہو کے آپ کانپور مین آئے۔ اور فی الحال مدرسۂ الٰہیات مین تعلیم دے رہے ہین۔ تاہم دل اسی فکر مین لگا ہے کہ شاہزادگان آل تیمور کی تعلیم و تربیت کا کوئی بندوبست کرین۔ اس کے ساتھ ہی انجمن ترقی اردو کے لیے کوشش کرنے کا بھی بیڑا اُٹھایا ہے۔

حاجی صاحب کو ہم نے موجودہ حالت تک پہونچا دیا۔ اگرچہ اطمینان نہین کہ اُن کی تمام ملازمتون اور کل کوششون کو ہم قلمبند کرسکے۔ اس لیے کہ اُن کے ایسے ایسے کارنامے ہین جو خود اُنھین یاد نہین۔

قطع نظر اس کے ہم نے جو کچھ بیان کیا صرف ملازمتون اور نوکریون تک محدود ہے۔ اسلیے کہ اُنھون نے جہان جہان جتنی انجمنین اور کمیٹیان قائم کین اور کلب کھولے اُن کا استقصا بہت ہی دشوار ہے۔ لیکن اسی سے بھی اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ اتنے دنون مین اُنھون نے جو کچھ کیا ہم لوگون کی حالت کے دیکھتے بہت ہے۔ اور پھر ابھی کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ اور کیا کیا کرین گے اور کہان کہان جائین گے ہم صدق دل سے دعا کرتے ہین کہ اُن کے آئندہ کا ازنامے ان مذکورہ گذشتہ کارنامون سے بہت زیادہ ہون۔ اور خدا اُن کی مفید علمی زندگی مین برکت دے۔ مگر اُن کی زندگی کا جس قدر حصہ دکھا یا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی ملازمتون کی تعداد اُن کی عمر کے برسون سے بہت زیادہ ہے۔ اور درحقیقت وہ تعلیمی دنیا کے ابدال ہین جن کا کام یہ ہے کہ جہان جائین تعلیمی سرگرمی و مستعدی پیدا کر کے آگے کی راہ لین۔

اکثر لوگ اُنھین الزام دیتے ہین کہ متلون مزاج ہین اور اُن کے کسی کام کو ثبات نہین۔ بہ ظاہر یہ الزام صحیح نظر آتا ہے مگر معترضین اس کا خیال نہین کرتے کہ اپنے جوش دینی اور اپنے علمی برکتون سے محض اسی بے ثباتی کے باعث اُنھون نے مسلمانان ہند کو کس قدر زیادہ فائدہ پہونچایا؟ اور اُن کی برکتون کا دائرہ کس قدر زیادہ وسیع ہے؟

حسن کی کرشمہ سازیان

مادیہ رولان فلپون

یہ ایک قابل و ممتاز فرانسیسی خاتون تھی جس نے محض اپنے حسن و جمال اور فضل و کمال کی وجہ سے عروج حاصل کیا۔ ناموری کے اعلیٰ ترین شہ نشین پر پہونچی۔ اور ناعاقبت اندیش قوم کی غیر معتدل آزادیون پر قربان ہوئی۔

وہ فلپون نام پیرس کے ایک مُہرکن کی بیٹی تھی جو اپنے فن مین تو صاحب کمال تھا مگر غربت و افلاس کے ہاتھون ہمیشہ پریشان رہا۔ اُسی کے بیان سے مارچ

[illegible] کو مار یہ پیدا ہوئی۔ ماں باپ کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ ماں نیک نفس، نرم دل، [illegible] اخلاق۔ اور صابر و قانع تھی۔ برخلاف اُس کے باپ حریص و طماع۔ بدنفس و بداخلاق۔ حاسد و کینہ ور۔ اور شریف و نیک نفس لوگوں کا دشمن تھا۔ [illegible] مالیخولیا تھا کہ میری ساری نکبت و فلاکت شرفا و امرائے وطن کی [illegible] اور [illegible] سے ملک فرانس کے عوام الناس کو ان دنوں علی العموم یہی خبط ہو رہا تھا۔ ان خیالات کی وجہ سے نیلیون کو جب دیکھیے معززین و شرفائے شہر کو گالیاں دیتا [illegible] کرتا۔ یہی لوگ ہم سب کو لوٹے کھاتے ہیں۔

[illegible] اگرچہ ماں کے تمام صفات [illegible] وارث تھی مگر ممکن نہ تھا کہ اُس کے [illegible] وصف آئے۔ جن باپ کے خیالات کی جھلک نہ آتے۔ کیونکہ باپ کے زیر تعلیم رہی تھی وہ نہایت ہی ذی [illegible] تھی۔ چار سال کی عمر کو پہونچنے سے پہلے ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ اور مطالعۂ [illegible] اس درجہ شوق ہو گیا کہ اُس کے شوق و حوصلے کے مطابق کتابیں خریدنا یا اُنھیں فراہم کرنا باپ کے امکان سے باہر تھا۔ [illegible] کے انھوں نے بچی کو تعلیم کے لیے [illegible] زنانی خانقاہ میں بھیج دیا یہاں [illegible] لڑکیوں کو تعلیم دیا کرتی تھیں۔ اس خانقاہ میں ماریہ نے ایسا ذوق علم اور تعلیم کا شوق ظاہر کیا کہ اُستانیاں اُس پر ناز کرنے لگیں۔ اور ساتھ والی لڑکیاں اُس کی مطیع فرمان لونڈیاں بن گئیں۔

خانقاہ کے اس زنانے مدرسہ میں ماریہ نے مصوری اور موسیقی میں نمایاں ترقی کی۔ [illegible] تاریخ و تفسیر۔ سفرناموں۔ نامور شعرا کے دیوانوں۔ ادب و اخلاق۔ مطائبات و لطائف اور پالٹکس کی کتابوں میں پوری بصیرت حاصل کی۔ ان سب علموں میں پورا توغل کرنے کے بعد اُس کے دل میں قدیم یونانیوں اور رومیوں کے حالات معلوم کرنے کا غیرمعمولی ذوق پیدا ہو گیا۔ اور کوشش کرنے لگی کہ اپنے اخلاق و عادات اُنھیں لوگوں کے سے بنائے۔ اس کوشش میں اُسے یہاں تک انہماک ہوا کہ ایک دن باپ نے دیکھا کہ اکیلی بیٹھی رو رہی ہے اور کچھ کڑھی ہوئی سی ہے۔ بڑھ کے تسلی دی۔ اور رونے کا سبب پوچھا تو بولی "میں اس بات پر رو رہی ہوں کہ میں کسی رومی کے گھر میں کیوں نہ پیدا ہوئی؟"

اکثر اوقات جب تنہا بیٹھتی تو یونانیون کی گذشتہ سطوت اور رومیون کی اگلی عظمت کی خیالی تصویرین خیال کی آنکھون کے سامنے قائم کرتی۔ پھر اُن کے مقابل جب اپنے شہرون اور لوگون کی حالت پر غور کرتی تو دل بھر آتا۔ رونے اور سر دھننے لگتی۔ اور دل مین کہتی "یہ لوگ اُس قدر عیش پرست ہو گئے ہین؟ کیسی غلطیون اور بیہودگیون مین مبتلا ہین؟" اور یہ خیال آتے ہی وطن کے دولتمندون اور قوم کے سربرآوردہ لوگون کی طرف سے اُس کے دل مین سخت نفرت پیدا ہو جاتی۔ ارکان سلطنت کو ذلت کی نظر سے دیکھتی اور ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ کہتی "خداوندا! سچائی کو فتح ہو۔ عدالت و انصاف کا قانون ملک پر حکومت کرے۔ اور قوم اِس تباہی سے چھوٹے"

دراصل یہ اُس کے باپ کے خیالات تھے جنھون نے اعلیٰ تعلیم مین سموجانے کے بعد یہ صورت پیدا کی تھی۔ باپ نے بچپن ہی مین اُسے وطن کے امیرون کے بُرے خصائل و عادات اور اخلاق و اطوار سُنا سُنا کے سب کی طرف سے بدظن کر دیا تھا۔ جب وہ ننھی بچی تھی تو باپ اکثر اُسے اُنگلی پکڑ کے باہر لے جاتا۔ پیرس کی سڑکون پر پھراتا۔ دولتمندون کا کروفر۔ امیرزادون کا سیر و تفریح کے لیے نکلنا۔ اور گلگشت مین محو ہونا۔ اُن کی سواریون کا ٹھاٹھ اور اُن کے جلو مین خدم و حشم کا ہونا۔ باہم لغو و بیہودہ مذاق کرنا۔ اُن کے گھوڑون کا غریبون کو ٹھوکر دے کے نکل جانا اور اُن کا غریب ابنائے وطن کو حقارت و ذلت کی نگاہون سے دیکھنا۔ پھر اُس کے بعد اُن کی زرنگار گاڑیان۔ اُن کے شاندار گھوڑے اُنکا اعلیٰ درجہ کا بیش بہا ساز و یراق۔ اور اُن کے سربفلک قصر و ایوان دکھاتا اور کہتا "بیٹی دیکھو اور بتاؤ کہ عدل و انصاف کہان ہے؟ اور کہان ہین وہ خدا کے نیک بندے جو انسانیت کی مدد و دستگیری کو اُٹھین؟ اور اِن وحشی و جاہل سنگدلون کے دست ستم سے اُسے بچائین؟ دیکھتی ہو کہ حریر و دیبا کے بچھونے بچھتے اور کمخواب کے تکیہ لگاتے ہین عیش و عشرت مین زندگی تلف کرتے ہین؟ اور جن کی محنت سے ملک آباد ہے وہ فاقے کر رہے ہین؟" یہ باتین بھلا بے اثر لیے ہوئے رہ سکتی تھین؟ اُس کے دل مین جم گئین۔ اور وہ اُس گھڑی کا انتظار کرنے لگی

جب خدا ان لوگون کو اِس خواب غفلت کی سزا دے گا۔

۱۴ برس کے سن مین وہ اپنی تعلیم پوری کر کے مدرسہ سے نکلی۔ اور ماں نے گھر کے کامون مین لگایا۔ اور کوئی لڑکی ہوتی تو علم حاصل کرنے کے بعد چولھے چکی کو اپنی شان سے ادنےٰ خیال کرتی۔ مگر ماریہ کو خدا نے علم و فضل کے ساتھ سچا مذاق دیا تھا دل مین خیال کیا کہ عورت کے سب سے اہم فرائض یہی ہین۔ بڑے ذوق و شوق سے ماں کا ہاتھ بٹا لیا۔ دوڑ دوڑ کے کام کاج کرنے لگی۔ گھر کا سودا سلف خود ہی جا کے لے آتی۔ اور چونکہ بڑے سلیقے اور دانشمندی سے بات چیت کرتی اس لیے بازار کے تمام دکاندار اُس کے گرویدہ ہو گئے۔ سب اُس کی عزت کرتے۔ اور اُسے سب سے اچھا سودا دیا جاتا۔

اب اُس کا شادی کا سن ہوا۔ اور ہر طرف سے پیام آنے لگے۔ ان پیامون کی جب کثرت ہوئی اور اُس نے دیکھا کہ ماں باپ چاہتے ہین کہ اُن مین سے کسی کو منظور کر لین تو اُس نے اُنھین جلد بازی سے روکا۔ اور کہا "فطرت اور قانون دونون اس پر متفق ہین کہ مرد کو عورت پر فضیلت و فوقیت ہے۔ اگر مین نے جلدی مین کسی ایسے کو پسند کر لیا جو مجھ پر حکومت کرنے اور اُس درجۂ عالی کے نباہنے کے قابل نہ ہو تو مجھے انجام مین نادم ہونا پڑے گا۔ اور میری زندگی خراب ہو جائے گی" یہ سُن کے ماں باپ کو خاموش ہو جانا پڑا۔

ایک دن اتفاق سے ایک بڑا دولتمند امیر کبیر اُس کے باپ کے کارخانے مین آیا۔ اُس نے قلیون کی صنعتون اور کاریگرون کے سلسلہ مین ماریہ کے ہاتھ کی چند تحریرین دیکھین تو حیران و ششدر رہ گیا۔ اُس کا پاکیزہ خط۔ اُس کی خوبصورت عبارت جس چیز کو خیال کرتا بے عدیل و نظیر پاتا۔ ماریہ کی لیاقت کی اُس نے بیحد تعریف کی۔ اور اُس سے خود ہی سبقت کر کے خواہش کی کہ تم مجھ سے خط و کتابت کیا کرو تاکہ تمھارے طرز تحریر سے مین فائدہ اُٹھاؤن۔ اس کے بعد گھر جاتے ہی اُس نے ماریہ کو ایک خط لکھا جس مین توجہ دلائی کہ تم تصنیف و تالیف کا شوق کرو۔ مجھے یقین ہے کہ پبلک تمھارے لٹریچر کی بڑی قدر کرے گی۔ ماریہ نے اِس خط کا جواب نظم مین دیا۔ اور ایسے پاکیزہ اشعار

موزون کرکے اُسے لکھ بھیجے کہ اُسے اور زیادہ حیرت ہوئی۔ اس منظوم خط مین ماریہ نے یہ لکھا تھا کہ "علم و فضل مین عورت مردون کی برابری کا دعویٰ نہین کرسکتی۔ اور عورتون کو وہ اعلیٰ علمی درجہ نہین نصیب ہوسکتا جو مردون کو حاصل ہے" پھر اُس کے دلائل وجوہ و اسباب بتائے تھے۔

اب اِسوقت سے ماریہ فلیتون اور اُن رئیس مین سلسلۂ مراسلت جاری ہوگیا۔ اور وہ اِن کے ہان جانے آنے بھی لگی۔ ان دولتمند امیر کا ایک جاہل بیٹا تھا جو نہایت ہی غصہ ور اور بیحد جھلا تھا۔ انھون نے چاہا کہ ماریہ کو اپنے اُس نالائق فرزند کے ساتھ بیاہ دین۔ کیونکہ انھیں یقین تھا کہ ماریہ کی صحبت سے اُس لڑکے کی اصلاح ہو جائے گی۔ اور قابل بی بی جب راہ پر لگائے گی تو وہ سُدھر جائے گا۔ مگر اُس کی اصلاح کی امید موہوم پر ماریہ اپنی زندگی کیون خراب کرتی؟ قطعاً انکار کر دیا۔

اُس امیر سے نامہ پیام ہونے اور اُس کے گھر آنے جانے کے باعث اُسے شہر کے اور کئی اُمرا سے شناسائی ہوگئی۔ اور ان کے حالات کے معلوم کرنے کا بھی اچھا موقع مل گیا۔ جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ بچپن سے یونانیون اور رومیون کے اخلاق و عادات کا مطالعہ کرتے رہنے سے عادت ہو گئی تھی کہ جس کسی سے سابقہ پڑا دل ہی دل مین اُس کے عادات و اطوار اُس کے خصائل و کردار اور اُس کے نداق طبیعت کا اندازہ کر لیتی۔ لیکن خوبی اور تعریف کی یہ بات تھی کہ کبھی یہ نہ ہوا کہ دولتمند اُمرا مین سے کسی کی کوئی خصلت اُس نے اختیار کی ہو۔ بلکہ امرا کے خصائل پر غور کرنے کا یہ نتیجہ تھا کہ روز بروز اُن سے اور زیادہ متنفر ہوتی جاتی۔ اس لیے کہ امرا کو یا تو گانے بجانے اور عیش و نشاط سے واسطہ تھا۔ یا خودنمائی فضول تکبر۔ اور کبر و نخوت سے۔ اور ان باتون کو ماریہ حقیر و ذلیل جانتی تھی۔

اب اُس کی عمر پچیس برس کی تھی اور بدستور لوگون کی جانچ تال کیا کرتی رہتی تھی کہ میسور ولان نام ایک سن رسیدہ شخص سے ملاقات ہو گئی جو عمر مین اُس سے بائیس سال بڑا تھا۔ اور علاقۂ لیون کے تمام کارخانون کا

انسپکٹر تھا۔ سیور دلان نے چند ہی روز کی شناسائی کے بعد اُسے شادی کا پیام دیا۔ اور اُس نے اپنے مذاق میں اُس کے عادات و خصائل کو اس قدر پسند کیا تھا کہ اُس کا پیام فوراً منظور کر لیا۔ یہ شخص معزز و ممتاز تھا۔ صاحب علم و فضل تھا۔ ادب و قابلیت میں مشہور تھا۔ اور اُس کی کئی تصنیفیں ملک میں شائع ہو چکے تھے۔ ان تمام صفات کے ساتھ وہ مزاج کا بھی بہت اچھا تھا۔ غرض ۱۴ فروری ۱۸۹۶ء کو دونوں کی باہم شادی ہو گئی۔ اور ماریہ فلیومن میڈم دلان بن گئی۔

شادی کے بعد چند روز تک تو دونوں پیرس میں رہے۔ پھر شہر آمیان میں چلے گئے۔ اور اُس کے بعد شہر لیون میں جا کے مقیم ہو گئے۔ جہاں مسیو دلان دکار خانوں کے معائنہ میں مصروف رہتے۔ مگر بی بی نے اپنی یہاں کی زندگی سے ایک کامل ترین خاتون کی زندگی کا نمونہ دکھا دیا۔ گھر کو خوب سجا اور آراستہ کیا۔ پھر اُس کی انتظامی حالت سُدھاری۔ اور اپنی زندگی کے بہترین دن یہیں بسر کیے۔ وہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اور ماریہ دلان اُس کی تعلیم و تربیت میں ہمہ تن مصروف ہو گئی۔

مسیو دلان کا معمول تھا کہ ایک چھوٹے گاؤں میں جا کے گرمیوں کا موسم بسر کیا کرتے۔ مادام دلان وہاں اُن کے ساتھ جا کے مہینوں رہتی۔ اور معمول تھا کہ ہر روز تھوڑا وقت گاؤں کے مریضوں اور محتاجوں کی خبرگیری میں صرف کرتی۔ اور چونکہ کوئی طبیب موجود نہ تھا خود ہی اُن کا علاج کرتی۔ اور اپنے پاس سے دوائیں دیتی۔ اور تسلی دیتی رہتی۔ وہ لوگ اُس کے حد سے زیادہ گرویدہ ہو گئے۔ اور سارے گاؤں میں اُس کی خوبیوں کی دھوم ہو گئی۔

مگر اُس کا زیادہ وقت شوہر کے علمی کاموں کی مدد میں صرف ہوتا۔ اور مشہور ہو گیا تھا کہ مسیو دلان میں جتنی خوبیاں نظر آ رہی ہیں یہ سب دراصل اُن کی بیوی کی خوبیاں ہیں۔ چنانچہ خاص اُن کے ایک ملنے والے کا بیان ہے کہ مسیو دلان کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قوانین دولت روم سے خوب واقف ہیں۔ لیکن سچ پوچھیے تو اُن کا یہ علم دراصل اُن کی بی بی کا علم ہے۔ اپنے

تمام کمالات مین وہ اپنی انہیں زندگی منکوحہ کے زیر بار احسان ہین۔ اُن کی بی بی اُن کے تمام معاملات مین مدد و معاون رہتی ہین۔ اُن کا کل کام وہی کرتی ہین۔ جن کتابون کو وہ تصنیف کرتے ہین اُن مین اصلاح دے کے وہی اُنھین درست کرتی ہین۔ اور اپنے زور قلم اور اپنی ادبی قابلیت سے شوہر کی تحریرون کو نہایت ہی مدلل و موجہ بنا دیتی ہین۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ بی بی ہی کے طفیل مین وہ اعلیٰ درجے کے انشاپرداز اور ادیب بے ہمتا مشہور ہو گئے ہین۔"

اسی اثنا مین یکایک فرانس مین انقلابات و بغاوت کا ہنگامہ بپا ہو گیا جو تاریخ عالم مین ایک عجیب واقعہ ہے۔ رعایا سلطنت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور شاہی خاندان اور اُس کے طرفدارون کو دنیا تنگ نظر آنے لگی۔ ماریہ رولان کو جب اس جوش و برہمی کا حال معلوم ہوا تو فوراً اُس کی اعانت کے لیے تیار ہو گئی لوگون کا جوش بڑھانا شروع کیا۔ اور بغاوت و سرکشی کی آگ اور بھڑکا دی۔ وہ بچپن سے عمارت کے خلاف اور رعایا کی طرفدار تھی۔ یہ ہنگامہ شروع ہوا تو دل مین سمجھی کہ ملک و قوم کی اصلاح کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہین ہے لہذا چند ہی روز کے اندر اپنے شوہر اور دوستون کو ایسا جوش دلایا کہ وہ بھی فتنہ و فساد کے حامی بن گئے۔ اور ماریہ رولان نے اپنے علاقہ لیون مین پوری بغاوت کرا دی۔ یہانتک کہ وہان کے عوام کا شعار یہ ہو گیا کہ "مسیو رولان اور اُن کی بیوی ہی ہمین شاہی مظالم اور بے انصافی کی آفت سے نجات دلائینگے۔"

اس کی خبر فرانس کے امرا اور بادشاہ کے طرفدارون کو ہو گئی۔ اُنھون نے خفیہ جاسوس پیچھے لگا دیے جو دونون میان بیویون کے ساتھ لگے رہتے۔ اور اُن کے اوضاع و اطوار اور حرکات و سکنات کی گھڑی گھڑی کی خبرین پہونچاتے رہتے۔ اِس کا علم ہو جانے پر بھی ماریہ رولان اپنے ارادے اور طرز عمل سے باز نہ آئی۔ بلکہ لوگون کو مخالفت پر اور زیادہ آمادہ کر دیا۔ آخر اِن میان بیویون کی طرف لوگون کی گرویدگی اِس درجہ بڑھی کہ شاہ فرانس لوئی شانزدہم نے آغاز بغاوت مین مجلس نوابین قائم کی تو اُن

لیون نے میسیو رولان ہی کو اپنا نواب (آجکل کے اخبارون کی زبان مین نمایندہ) منتخب کرکے اُسے مجلس نوابین مین بھیجا۔ یون لیون کے نائب مقرر ہوکے دونون میان بیوی ۲۰ فروری ۱۷۹۱ء کو پیرس مین پہونچے۔ اور مادیرولان نے اس زمانے کے حالات پر اپنے قلم سے ایک رسالہ لکھ کے شایع کیا جس نے رعایا پر بے انتہا اثر کیا۔

رعایا کو اِن میان بیوی کے ہاتھ مین دیکھ کے بادشاہ اس قدر خائف ہوا کہ اُن کی استمالت و دلجوئی کرنے لگا۔ یہان تک کہ مارچ ۱۷۹۲ء مین میسیو رولان کو اپنا وزیر داخلیہ مقرر کر لیا اور اُنھین رہنے کو اپنا ایک سجا سجایا قصر دے دیا جس مین شاہانہ تکلفات کا سامان اور اعلی درجے کا فرنیچر تھا۔ مادیرولان بڑے کروفر اور شان وشوکت کے ساتھ خوشی خوشی اُٹھ کے اُس قصر مین گئین۔ اور شاہی ساز و سامان کا لطف اُٹھانے لگین۔ اور رعایا نے بادشاہ کے اِس انتخاب پر بڑے جوش و خروش سے اظہار اطمینان ومسرت کیا۔

اس کے چند روز بعد جب بادشاہ نے چاہا کہ آزادی و سرکشی کے سرگروہون کو سزا دے تو میسیو رولان سے خواہش کی کہ آپ باغیون اور مخالفین تاج وتخت کے مقابلے مین اعلان جنگ کا مشورہ دین۔ وہ متردد تھے اور دل کمزوری دکھانے لگا تھا کہ مادیرولان نے شوہر کی طرف ایک ایسی چھٹی بادشاہ کو لکھ بھیجی جو اِس تجویز کے خلاف تھی۔ اور ایسی مدلل دموجہ اور زور دار الفاظ مین تھی کہ بادشاہ کو اِس کی اور اُس کے شوہر کی طرف سے یاس ہوگئی۔ اور کل اہل دربار گھبرا گئے۔ اور جب میسیو رولان نے وہ چھٹی دیکھی تو اپنی بی بی کی اس جرأت اور زور قلم پر اُنھین حیرت ہوگئی۔

اس چھٹی کے دباؤ سے بادشاہ کو بہ ظاہر تو مجبور ہو جانا پڑا، مگر دربار مین یہ راے قرار پا گئی کہ میسیو رولان کو سلطنت کے عہدون سے نکال دینا چاہیے۔ چنانچہ چند ہی روز بعد وہ عہدۂ وزارت سے علحدہ کر دیے گئے۔ بادشاہ کی یہ بے رخی دیکھ کے مادیرولان نے میان سے کہا

"تم اُس کا کچھ اندیشہ نہ کرو اور میری وہ تحریر جو دربار مین بھیجی گئی تھی قوم کے سامنے شائع کردو سب کو معلوم تو ہو جائے کہ کس قصور پر تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے۔ مسیو رولان نے جو بالکل بی بی کے اختیار مین تھے اُس تحریر کو شائع کر دیا۔ اور اُس کا عجیب و غریب اثر ہوا۔ ادیبون اور انشا پردازون اور آزاد خیال پالٹیشنون نے بے انتہا داد دی۔ رعایا مین ناراضی کا جوش پیدا ہوا۔ اور اُس کا ایسا دباؤ پڑا کہ بادشاہ نے گھبرا کے مسیو رولان کو پھر خلعت وزارت سے سرفراز کر دیا۔ اور مادام رولان نے شوہر پر ثابت کر دیا کہ اگر مین نے تمھین موقوف کرایا تھا تو مین ہی نے تمھیں پھر مقرر بھی کرا دیا۔"

اِس کے چند روز بعد وہ زمانہ آیا جب سارا شاہی خاندان مع بادشاہ کے قید خانے مین تھا اور تخت شاہی عوام کے ہاتھ کا کھلونا تھا۔ جن سرکش عوام کا دور دورہ تھا اُن کی کئی پارٹیان تھین اُنھین مین سے ایک گروہ نے مادام رولان کو یہ تہمت لگائی کہ وہ شاہی خاندان سے ساز رکھتی ہین۔ مکر و فریب سے کوشش کر رہی ہین کہ بادشاہ کو قید خانے سے نکال کے پھر تخت پر بٹھا دین اور لوگون کو اُبھارنا شروع کیا کہ مادام رولان سے ... بے زبانی و مخالفت کا انتقام لین۔ خصوصاً ایک بدمعاش نے جسے مادام رولان نے اپنے پاس سے نکال دیا تھا یہ کہنا شروع کیا کہ وہ فرانس کے دشمنون سے مراسلت کر رہی تھین کہ اُن سے روپیہ لے کے بادشاہ کے آزاد کرانے مین صرف کرین۔ فرنچ قوم نے اکثر اپنے محسنون کے ساتھ بے وفائی کی ہے۔ یہی قوم تھی جس نے جون آف آرک کی ایسی فرشتہ رحمت دوشیزہ سے دغا بازی کی تھی۔ وہی رنگ اب مادام رولان کے معاملے مین پھر نمایان ہوا۔ اور جو خاتون اُن کے حقوق دلوانے مین سب سے زیادہ ساعی تھی اُسی کے دشمن ہو گئے۔

اس انقلاب کے وقت اُن کے شوہر مسیو رولان زمانے کا رنگ بدلا دیکھ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور جاتے وقت اُنھون نے لاکھ چاہا کہ

بی بی کو بھی ساتھ لیتے جائین مگر بہادر اریہ نے نہ مانا اور کہا، مین بہادری اور جوانمردی سے ان فتنون کا مقابلہ کرون گی۔ شوہر کے چلے جانے کے بعد اُس ظالمانہ بدتمیزی مین جب میڈم ردلان پر یہ تہمتین لگائی گئین تو بغیر اس کے کہ اُن کی اُن کارگزاریون کا لحاظ کیا جائے جو آزادی کی طرفداری مین اُنھون نے کی تھین وہ قید کر لی گئین۔ اور چند ہفتہ اسیر رہنے کے بعد جوابدہی کے لیے اُس عدالت کے سامنے طلب کی گئین جو عوام کی طرف سے مخالفون کی سزا دہی کے لیے قائم کی گئی تھی۔ جس وقت یہ قابل اور نیک خاتون ملزمون کے کٹہرے مین لا کے کھڑی کی گئی ایسا نظر آتا تھا کہ معلوم ہوتا ایک خدائی آفت چلی آتی ہے دشمن غصے مین بھرے تھے۔ اور بڑے طیش سے جھنجھلا جھنجھلا کے الزام لگاتے تھے کہ میڈم ردلان نے جوابدہی مین جادو بیانی شروع کی فورًا ہر طرف سناٹا ہو گیا۔ اور کسی نغمہ دلکش نے کبھی وہ اثر نہ دکھایا ہو گا جو اسوقت اس شیرین زبان و سحر بیان خاتون کے الفاظ دکھا رہے تھے۔ اپنی اور اپنے ساتھیون کی براءت مین اُس نے ایسی پُرزور اور فصیح و بلیغ تقریر کی کہ سب کی زبان بند ہو گئی۔ پیروی مقدمہ کرنے والے وکیل سے کچھ کہتے نہ بنی تمام حاضرین کے دلون پر اُس کی بیگناہی نقش ہو گئی۔ اور حاکم نے جیوری سے راے طلب کی۔ جیوری نے بلاتامل بری ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ اور اریہ ردلان کو آزادی دی گئی۔

مگر اس فیصلہ نے دشمنون کے سینون مین انتقام کی آگ اور بھڑکا دی۔ خصوصًا ارولیس سرنام ایک شخص تو اس نیک اور فخر قوم خاتون کے خون ہی کا پیاسا تھا۔ چند روز پیشتر لوگ اُس شخص کے قتل کے درپے تھے۔ بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ اور کہین پناہ نہ ملتی تھی۔ اُس نازک زمانے مین میڈم ردلان اور اُن کے شوہر نے اُسے اپنے گھر مین پناہ دے کے بچا لیا تھا۔ اُس احسان کے بدلے مین دہی کافر نعمت شخص آج اُن کی جان کا خواہان ہے۔ اِن مخالفون نے کچھ ایسی سازش کی اور ایسے الزامات تصنیف کر کے اس طرح پیروی کی کہ میڈم ردلان بری ہو کے گھر تک نہین پہونچنے پائی

تھین کہ راستہ ہی سے گرفتار کر کے پھر قید خانے مین بند کر دی گئین -

اب کی بار وہ کئی مہینہ قید خانے مین رہین - مگر قید کی زندگی اُنھون نے عجب غیرمعمولی اطمینان و صلاحیت سے بسر کی - افکار و ترددات اور خطرون اور اندیشون کی اُنھین جیسے پروا ہی نہ تھی - اپنے اوقات تقسیم کیے دو ایک گھنٹہ انگریزی زبان سیکھنے مین صرف کرتین - کچھ گھنٹہ تصویری نقاشی مین گزرتے - ایک معتد بہ زمانہ مطالعۂ کتب و تمدنی کتابون کی تصنیف مین بسر ہوتا - مگر سب سے زیادہ وقت وہ اپنے ہم الم قیدیون کی خبرگیری - اُن کی تسلی و تشفی اور دلدہی و حوصلہ افزائی مین صرف کرتین - اُن کے پاس جا جا کے اُنھین ہمت دلاتین - جہان تک بنتا روپیہ پیسہ سے اُن کی کفالت کرتین - اور یہ معلوم ہوتا کہ وہ قیدی نہین بلکہ ستم رسیدہ قیدیون کے حق مین ایک رحمت الٰہی ہین - اِس زمانے اور قید مین اُنھون نے اپنی بے نظیر و دلکش کتاب "اپیل ٹو پاسٹرٹی" (آنے والی نسل سے اپیل) لکھی جس مین خود اپنے تاریخی حالات اور خیالات اور واقعات قلمبند کیے ہین -

لیکن اُن کے اِن نیک کامون کے مقابل دشمنون کا سوا اِس کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا کہ تمام لوگون کو سازش کر کے اُن کے خلاف کردین - اور جس طرح بنے اُن کے ساتھ دشمنی کرین - آخر اکتوبر ۱۷۹۳ء مین یکایک وہ پھر عدالت مین بلائی گئین - اب کی وہ زیادہ سنگین جرائم کے مجرمون کی وضع سے لائی گئین - اور بغیر اس کے کہ اُن کو کچھ بھی کہنے سننے کا موقع دیا جائے عدالت نے سزاے موت تجویز کی - اور حکم ہوا کہ "گلوٹین" سے گلا کاٹ کے اُن کی جان لی جائے - اِس حکم کو مادام رولان نے بڑے استقلال تحمل بردباری اور جوانمردی کے ساتھ سُنا - اور خاموش ہو گئین - مگر چہرے پر جیسے اِس حکم سے اور زیادہ بشاشت آگئی - خصوصًا جب مشکین باندھ کے قتل گاہ کی طرف روانہ کی گئین تو پیشانی سچائی کے نور سے چمک رہی تھی - رخسارون پر جوش دل کی وجہ سے خون کی سرخی نمایان تھی - اور گویا اپنی اس بیگناہی کی موت پر خوش تھین -

راستہ مین اتفاق سے "آزادی" کی اُس فرضی مورت کا سامنا ہوگیا جو فرانسیسیون نے پیرس مین بناکے سرِراہ قائم کر رکھی ہی - اُس پر جو نظر پڑی تو مارے رونان سے بے اختیار اُس کی طرف توجہ کرکے بولین "اے آزادی! تیرا نام لے لے کے لوگ کیسے کیسے جرائم کے مرتکب ہو رہے ہین! اور تیرے نام کی کیسی تضحیک ہوتی ہے!" کہتے ہین کہ جب قتلگاہ مین پہونچ گئین تو اُنھون نے قلم دوات کاغذ مانگا تاکہ اُس وقت جو خیالات اُن کے دل مین گذر رہے تھے اُن کو قلمبند کر دین - مگر اس سے انکار کیا گیا - اور بغیر کچھ کہے سنے اُن گلا کاٹ دیا گیا - اور افسوس کہ اپنے وہ قیمتی خیالات وہ اپنے ساتھ ہی لے گئین قتل کے وقت اُن کی عمر ۳۹ سال کی تھی - اُن کے مارے جانے کی خبر مفرور شوہر کو ہوئی تو کچھ ایسا دل ٹوٹ گیا کہ چند ہی روز بعد وہ بھی مر گئے - اور مرنے کے بعد اُن کی جیب مین لوگون کو ایک کاغذ ملا جس مین لکھا تھا "اپنی بی بی کے مرنے کے بعد مجھ مین اتنا صبر نہین کہ اِس پُرفتن اور گناہون سے بھری دنیا مین زندہ رہون"!

سچا عاشق کون ہی؟ مرد یا عورت؟

شاعری کا اصلی تعلق انسان کے دلی جوش و جذبات سے ہی - اور جذبات انسانی مین سب سے زیادہ اہم عشق ہی - اگرچہ یہ کشش حیوانات اور دیگر اصناف مخلوقات مین بھی نمایان طور پہ پائی جاتی ہے مگر ہماری شاعری کو اُسی عشق سے بحث ہی جو انسان مین ہو - اسی وجہ سے شاعر عشق کا بندہ ہوتا ہے - اور دعوی کرتا ہے کہ ع "عشق انسان کے آب و گل مین ہے" مگر انسان کی دو قسمین ہین مرد اور عورت اور کشش عشق کا پہلا مصدر انھین دونون گروہون کے دل ہین - جن کی باہمی کشش اور محبت سے دنیا مین نیرنگیان دکھائی ہین اور شعرا کو خیال آرائی کا موقع دیا ہے -

لیکن شاعر اُس عشق کو چاہتا ہے جو تمام جذبات پر غالب آجائے - اور

سوا عشق کے دنیا و ما فیہا سے علاقہ نہ باقی رہے۔ لہذا غور طلب یہ امر ہے کہ انسان کے دونوں طبقوں مرد اور عورت میں سے کس میں عشق زیادہ ہے اور کس کا عشق زیادہ مستقل اور سچا ہوتا ہے۔ جذبات عشق کے اعتبار سے نوع انسان کے اِن دونوں حصوں کو باہم ضرب دیا جائے تو چار شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) مرد کا عشق مرد کے ساتھ۔ (۲) مرد کا عشق عورت کے ساتھ۔ (۳) عورت کا عشق مرد کے ساتھ۔ (۴) عورت کا عشق عورت کے ساتھ۔ ان چار شکلوں کے سوا کوئی پانچویں شکل نہیں ہوسکتی۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ اِن چاروں شکلوں میں سے کون سی شکل شاعری کے لیے زیادہ موزون ہے؟ کس میں کشش اور بیقراری بڑھی ہوئی ہے؟ اور کس میں زیادہ سچائی اور استقلال ہے؟ اِس سوال کا اگر ہم کافی اور اطمینان بخش جواب دے سکیں تو مختلف زبانوں کے شعرا کا ایک بہت بڑا جھگڑا چکا دیں گے۔ اور فیصلہ کر دیں گے کہ کس زبان کے شاعروں کا مذاق اچھا اور سچا ہے۔

اِن چار شکلوں میں سے دو فطری ہیں اور دو غیر فطری جنھیں قانون مروجہ کی زبان میں "خلاف وضع فطری" کہا جائے تو زیبا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرد کا عشق عورت کے ساتھ یا عورت کا عشق مرد کے ساتھ فطری ہے۔ اور اسی وجہ سے جن زبانوں کے شعرا نے اِن دو شکلوں کو اختیار کیا ہے اُن کے مذاق میں فطرت اور نیچرل مذاق کی زیادہ جھلک بھی ہے۔ اور جن شاعروں نے غیر فطری عشق کی صورت اختیار کی ہے اُن کا مذاق شاعری فطرت سے کوسوں دور ہو کے صرف خیال آرائی۔ لفاظی۔ اور مبالغوں میں پھنس کے رہ گیا ہے۔

اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ کن زبانوں کے شاعروں نے کن شکلوں کو اختیار کیا ہے۔ عربی۔ یونانی۔ رومی۔ انگریزی۔ فرانسیسی اور دیگر مغربی زبانوں کے شعرا کے مذاق نے مذکورۂ بالا شکلوں میں سے دوسری فطری شکل اختیار کی ہے۔ یعنی مرد کا عشق عورت کے ساتھ۔ آخر عہد کے

مولدین عرب۔ ترکی فارسی۔ اور اردو کے شعرا نے پہلی غیر فطری شکل اختیار کی ہے یعنی مرد کا عشق مرد کے ساتھ۔ ہندوستان کی بھاشا اور غالباً سنسکرت نے تیسری فطری شکل اختیار کی ہے یعنی عورت کا عشق مرد کے ساتھ۔ چوتھی غیر فطری شکل یعنی عورت کا عشق عورت کے ساتھ یہ مذاق ہمین ابھی تک کسی زبان کے شعرا مین نہین نظر آیا۔ بداخلاقی نے بعض اشخاص مین چاہے یہ مذاق بھی پیدا کر دیا ہو مگر کسی قوم اور کسی زبان کے شعرا کا یہ مذاق نہین سُنا گیا۔ پہلے مورخ یونان ہیروڈوٹس نے دامن کوہ قاف کے ملک گرجستان مین جب امیزون (جنگجو عورتون) کا دور دورہ بتایا ہے اُن دنون ممکن ہے کہ وہان یہ مذاق ہو۔ اس لیے کہ کہتے ہین وہ سُورما عورتین مردون سے متنفر تھین۔ اُن کو اپنی قلمرو مین رہنے نہ دیتی تھین۔ ضرورت کے لیے اپنے علاقے کے باہر جا کے دوسری سرزمین کے مردون سے مل کے حاملہ ہو آتین مگر اس کی روادار نہ تھین کہ کوئی مرد اُن مین رہے۔ وہان اُن دنون چونکہ عورتین ہی عورتین تھین۔ اور مردون سے دشمنی رکھتی تھین اس لیے قرین قیاس ہے کہ باہم عشق و محبت کے روابط رکھتی ہون۔ اُن کا قومی مذاق یہی ہو کہ عورت پر فریفتہ ہون۔ اور اُن کی شاعری اسی رنگ مین ڈوبی ہوئی ہو۔ لیکن دنیا مین اور کہین یہ مذاق نہین سُنا گیا۔

الغرض موجودہ شعراے ارض کے مذاق کا عشق تین ہی طرح کا ہے (۱) یا مرد مرد پر عاشق ہو۔ (۲) یا مرد عورت پر عاشق ہو۔ (۳) یا عورت مرد پر عاشق ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اِن تینون صورتون مین کون سی صورت بہتر یعنی اور شاعری کے لیے زیادہ موزون ہے؟

پہلی صورت چونکہ ہماری اور ہماری ہم مذہب دوسری زبانون کا شعار بنی ہوئی ہے اس لیے مروت سے چاہے ہم اُس پر زیادہ نکتہ چینی

عہ مولد اُن عربون کو کہتے ہین جن مین عجمی خون مل گیا ہو۔ یعنی مولد انگریزون سے یوریشین ہین۔ مولد شعراے عرب وہ ہین جن کا مذاق شاعری بیرونی اثر سے مغشوش ہو گیا ہو۔

نہ کریں مگر اس حقیقت کو نہیں مٹا سکتے کہ وہ مذہبًا شرعًا اور عرفًا بداخلاقی و معصیت قانونًا و تمدنًا جرم اور فلسفیانہ طور پر خلاف فطرت ہے۔ لہذا شعرا کے لیے اس سے زیادہ لغو۔ بیہودہ۔ بے حقیقت۔ بدمزہ۔ اور بیحیائی و بغیرتی پیدا کرنے والا کوئی مذاق عشق نہیں ہو سکتا۔ اُس عشق میں چونکہ فطرت کی سچی کشش نہ تھی اُس کا مذاق حقیقت سے دور اور واقعیت سے جدا تھا۔ اِس لیے اس عشق کے مبتلاؤں کی شاعری کو سچائی۔ اور نیچرل دلکشی سے کوئی علاقہ نہیں رہا۔ وہ دل سے عاشق نہیں بلکہ صرف بنے ہوئے فرضی عاشق ہیں۔ اُن کا معشوق ایک خیالی پیکر ہے جس پر دراصل نہ وہ خود عاشق ہیں اور نہ کوئی اور عاشق ہو سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُن میں سچے جذبات پیدا ہی نہیں ہو سکتے۔ اُن کے استعارے۔ اُن کی تشبیہیں۔ اُن کی خیال آرائیاں اُن کی نازک خیالیاں صرف فرضی ہوتی ہیں۔ اپنے عشق میں اصلیت و واقعیت نہ ہونے کو وہ خود محسوس کرتے ہیں۔ اور فطری کششوں سے اپنی شاعری کو مطلقًا محروم دیکھ کے کبھی لفاظی اختیار کر کے فضول گوئی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کبھی رعایت کے پیچھے پڑ کے ضلع جگت بولنے لگتے ہیں۔ کبھی مبالغہ کو اپنا شعار بنا کے جھوٹ کے پل باندھتے ہیں۔ کبھی صنعتوں اور بوقلمونیوں کی بھول بھلیاں بنا کے کھڑی کرتے ہیں اور کبھی دور از کار اوہام اور بناوٹی پیچیدہ خیالوں کو جنگل کی وحشی چڑیوں کی طرح زبردستی پکڑ پکڑ کے الفاظ کے پنجروں میں بند کرتے ہیں جو کبھی تو اُڑ بھاگتی ہیں اور کبھی اُسی میں پھڑک پھڑک کے دم دیتی ہیں۔ غرض سب کچھ کرتے ہیں اور زمین آسمان کے قلابے تک ملا دیتے ہیں مگر ایسی ایک بات بھی مشکل سے کہہ سکتے ہیں جو دل کو لگے۔ اور سامعین کو بیتاب کر دے۔ اس لیے کہ جھوٹے کی زبان میں اثر نہیں ہو سکتا۔ اُن کا مذاق جھوٹا ہے۔ اُن کی شاعری بے حقیقت ہے۔ اُن کا خیال مجرمانہ ہے۔ جس کی بنا پر وہ مذہبًا گنہگار۔ اخلاقًا سوسائٹی کو گندہ اور ناپاک کرنے والے۔ اور قانونًا جیل میں بھیجے جانے کے قابل ہیں۔

اس بدمذاقی اور جھوٹے عشق نے سچے اثر کی برکتوں اور سادی موثر کششوں کی برکت سے محروم کر کے انھیں مجبور کر دیا ہے کہ اپنی شاعری کی عمارت کو صرف خیال کے مال مسالے سے تعمیر کر کے رعایت لفظی اور طرح طرح

کی آورد کی صنعتوں سے آراستہ کر دین - اس لیے کہ اگر اُن کے اشعار پر کسی دل سے "آہ!" نکلنے کی امید نہین تو شوکت الفاظ دیکھ کے "واہ" ہی نکل جائے -

اس صورت کے بیہودہ و بے اصل ثابت ہو جانے کے بعد دو ہی صورتین رہ جاتی ہین (۱) مرد کا عشق عورت پر اور (۲) عورت کا عشق مرد پر۔ پہلی صورت کو جیسا کہ ہم بیان کر آئے قدیم شعرائے عرب اور یورپ کی اکثر اگلی پچھلی زبانون کے شعرا نے اختیار کیا - اور دوسری صورت کو ہندی شاعری نے - یہ دونون صورتین فطرت کے موافق ہین - ایک مرد عاشق جب اپنی محبوبہ کے فراق مین فریاد کرتا ہے - اور ایک باوفا عورت جب اپنے شوہر اور مرد معشوق کی یاد مین بیتاب و بیقرار ہو کے روتی ہے دونون کی زبان مین بلا کا اثر ہوتا ہے - اور چونکہ ان جذبات عشق مین سچائی مضمر ہوتی ہے اس لیے اُن کی زبان کا ہر ہر لفظ تیر و نشتر کا کام دیتا ہے - اور جس کے کان تک پہونچتا ہے بیتاب کر دیتا ہے -

لیکن ان دونون مین امتیاز دکھا کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا آسان نہین ہو - تاہم فیصلہ ضرور کرین گے - اور سچا فیصلہ کرین گے - دنیا مین اکثر فیصلہ کثرت رائے اور ووٹون کی زیادتی پر ہوا کرتا ہے - اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ مرد عاشق کے طرفدار بہت ہین - ساری دنیا اُسی کی سی کہہ رہی ہے - اور مغرب کے اگلے پچھلے سب زور و شور سے اُس کی تائید کر رہے ہین - اور اُس کے مقابل دکھیاری عورت عاشقہ بے کس ہے اُس کی درد بھری آواز گھر سے باہر نہ نکل سکی اور اسلیے اُس کے اثر کا اندازہ بھی دنیا مین بہت ہی کم لوگون کو ہوا ہے - لیکن تم اگر سنو گے تو جو درد جو سوز و گداز اور جو اثر اُس کے لہجے اُس کی آواز - اور اُس کے بیان مین پاؤ گے کہین نہ نظر آئے گا - مگر اس بحث کو ہم اس وقت اٹھائے رکھتے ہین اور کسی آیندہ موقع پر بتائین گے کہ دونون مین سے کون اچھا ہے اور کون اچھا ہے -

مؤرخ

ادب اردو کے لیے تاریخ کی ضرورت روز بروز زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے۔ اور افسوس کہ اردو مین ابھی تک کسی قوم اور کسی ملک کی مکمل تاریخ نہین موجود ہے ہمارے یہان مختلف مورخ پیدا ہوئے۔ مگر انھون نے سوا اس کے کہ کسی خاص نامور کے حالات مین یا کسی خاص مسئلہ پہ کوئی تاریخی کتاب لکھدی ہو کوئی مکمل اور بسیط تاریخ نہین لکھی۔

اس ضرورت کے رفع کرنے کے لیے مین نے قطعی ارادہ کر دیا ہے کہ یکم جولائی سے مورخ نام کا ایک ماہوار رسالہ جاری کر دون جس مین کسی نہ کسی ملک کی ایک مستند و مبسوط تاریخ کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

فی الحال مورخ مین مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر کی مشہور تاریخ "ارض مقدس" کے ۴۸ صفحہ ہوا کرین گے۔ اور اس کے بعد ۳۲ صفحے کانڈی کی مشہور تاریخ "عربس اِن اسپین" کے ترجمے کے ہون گے۔ پورا رسالہ پانچ جزو یعنی ۸۰ صفحون پر ہوگا۔ اور پیمانہ ۲۰×۲۶ ہوگا۔ کاغذ ہم نہایت عمدہ چکنا ولایتی لگاتے مگر اس کاغذ کے نہ ہونے کی وجہ سے سردست ہم ہندوستانی ملون کے سفید کاغذ پر نکالین گے۔

کانڈی کا ترجمہ کرنے کی کئی بار کوشش کی گئی۔ مگر کوئی شخص اس کام کو انجام نہ دے سکا۔ دشواری یہ ہے کہ اس مین کثرت سے عربی نام ہین۔ اور ہمارے موجودہ انگریزی دان ان ناموں سے بالکل ناآشنا ہین جو بگاڑ کے کچھ سے کچھ کر دیا کرتے ہین ہماری خوش قسمتی سے مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر نے نامون کی تصحیح کا کام اپنے ذمے لے لیا ہے۔

مورخ کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ (عہ) رکھا گیا ہے۔ اور محصول ڈاک چھ آنے (۶؍) کل پانچ روپیہ چھ آنے (عہ۶؍) سالانہ پر مورخ جاری کر دیا جائے گا ہمین حامیان زبان اردو اور مولانا شرر کے لٹریچر کے قدردانون سے امید ہے کہ اس رسالہ کی ضرور مربی گری فرمائین گے۔

درخواستین فوراً آئین کہ جولائی کا نمبر شائع ہوتے ہی وی پی بھیج دیا جائے۔ نمونے کا پرچہ ۹؍ قیمت پر دیا جائے گا۔

الملتمس۔ محمد صدیق حسن سب ایڈیٹر دلگداز و ایڈیٹر مورخ
کٹرہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

چار آنے سے زیادہ قیمت کی ہر کتاب جلد بندھوا کے دیجاتی ہے

کتاب	قیمت
کلیات نعتیہ مجید	عہ/
کلیات امیر مسمّٰی تسلیم	۱۲/
کلیات میر تقی میر	عہ/
کلیات سودا	عہ/
کلیات انشاء اللہ خان	عہ/
کلیات ناسخ	۱۲/
کلیات نظیر اکبرآبادی مع سوانح عمری	۶/
کلیات صفدر	عہ/
کلیات وہبی	۹/
کلیات صنعت	۱۰/
دیوان غالب	۴/
دیوان رند	۷/
دیوان داغ	عہ/
گلزار داغ	عہ/
آفتاب داغ	۱۲/
دیوان ذوق	۴/
دیوان میر مراۃ الغیب	۱۱/
دیوان امیر صنمخانہ عشق	عہ/
دیوان تراب	۱۲/
دیوان غافل	۴/

کتاب	قیمت
دیوان قلق	۷/
دیوان میر حسن	۸/
دیوان خواجہ میر درد	۲/
دیوان خواجہ وزیر	۱۲/
دیوان شہیدی	۲/
دیوان بحر	۸/
دیوان گویا	۴/
دیوان طاہر	۱۲/
دیوان نسیم	۱۲/
دیوان وقار	۱۰/
دیوان بہار عرب	۲/
بہارستان سخن	۸/
دیوان نیاز	۲/
دیوان جرأت	۴/
دیوان عاشق	۲/
دیوان ضامن	۳/
دیوان شائستہ سخن	۸/
دیوان محمد ایزدی	۳/
دیوان نعت قدسی	۵/
دیوان چمنستان جوش	۷/
دیوان نجات دہر	۵/

کتاب	قیمت
مجمع الاشعار	۵/
خمسہ بے نقطہ	۱۲/
گلدستہ امانت	۱/
دیوان حسرت	۷/
توشہ آخرت	۸/
دیوان سخن دہلوی	عہ/
گلدستہ حفظ اللہ خان	عہ/
عجیب و غریب شرح قصائد عرفی	۱۴/
شرح قصائد بدر چاچ اردو	۱۴/
بہار سخن	۴/
مثنوی طلسم جہان	۴/
مثنوی دریائے عشق	۲/
مثنوی میر حسن	۲/
مثنوی گلزار نسیم	۲/
مثنوی یوسف زلیخا	۳/

قصہ جات نثر

کتاب	قیمت
داستان امیر حمزہ	
دفتر اول نوشیروان نامہ جلد اول	عا/
ایضاً " دوم	عا/
ہرمز نامہ	للعہ/

کتاب	قیمت
ہومان نامہ	عا/
دفتر دوم کوچک باختر	عا/
دفتر سوم بالا باختر	عا/
دفتر چہارم ایرج نامہ جلد اول	عا/
" دوم	عا/
دفتر پنجم طلسم ہوشربا جلد اول	عا/
" جلد دوم	عا/
" جلد سوم	عا/
" جلد چہارم	عا/
" جلد پنجم حصہ اول	عا/
" حصہ دوم	عا/
" جلد ششم	عا/
" جلد ہفتم	[illegible]
بقیہ طلسم ہوشربا حصہ اول	عا/
" حصہ دوم	عا/
دفتر ششم صندلی نامہ	عا/
دفتر ہفتم تورج نامہ جلد اول	[illegible]
" جلد دوم	عہ/
دفتر ہشتم لعل نامہ جلد اول	عا/
" جلد دوم	عا/
دفتر آفتاب شجاعت جلد اول	للعہ/

المشتہر

محمد صدیق حسن منیجر مہذب بک ایجنسی کڑہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

چار آنے سے زیادہ قیمت کی ہر کتاب جلد بند ہوا کے دیجاتی ہے
تصانیف خواجہ الطاف حسین حالی
حیات جاوید
یادگار غالب
حیات سعدی
مجموعۂ نظم حالی
مسدس حالی کاغذ عمدہ
مع سوانحعمری مولنا حالی
شکوہ ہند مع ترکیب بند
موسوم بہ مخمس جلیب
مناجات بیوہ
الدین یسر
تصانیف مولنا شبلی مرحوم
الفاروق
الغزالی
سیرة النعمان
سوانح مولنا روم
سفرنامہ شام و روم
المامون مع جزیہ
رسائل شبلی
مقالات شبلی
اورنگ زیب عالمگیر پر
ایک نظر
صبح امید
زیب النسا
جہانگیر
اسلامی حکومت
تصانیف مولوی نذیر احمد صاحب
حمائل شریف مترجمہ
مولوی نذیر احمد صاحب
مرآة العروس
بنات النعش
توبة النصوح
چند پند
منتخب الحکایات
مبادی الحکمت
مصائب غدر
ابن الوقت
فسانۂ مبتلا
الحقوق والفرائض جلد ۳
رویائے صادقہ
موعظۂ حسنہ
مجموعۂ نظم بے نظیر
تصانیف مولوی محمد حسین صاحب آزاد
آب حیات
دربار اکبری
سخندان پارس
نظم آزاد
نیرنگ خیال
قند پارسی
نصیحت کا کرن پھول
سپاک رنمک
تصانیف مولنا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر
مفتوح فاتح
الفانسو
خوفناک محبت
زوجۂ الکبری
حسن کا ڈاکو دو جلد
اسکندریہ بازار حرام
ہر دو جلد
زوال بغداد
ماہ ملک
یوسف نجمہ کامل
فتح اندلس
غیب دان دولہن
فلپانا
ایام عرب کامل
جنید بغدادی
ابو بکر شبلی
تاریخ سندھ کامل
حروب صلیبیہ
قصر قدیم
آغا صادق کی شادی
شوقین ملکہ
الحکم الرفاعیہ
خواجہ معین الدین چشتی
سکینہ بنت حسین
المشتہر
محمد صدیق حسن منیجر مہذب بک ایجنسی گڑھ بزن بیگ خان - لکھنؤ

چار آنے سے زیادہ قیمت کی ہر کتاب جلد بندھوا کے دیجاتی ہے

حیات بعد الموت - یہ انگلستان کی نامور مصنفہ **فلارنس میرٹ**، کی کتاب "دیر از نور دہ" (کوئی فانی نہیں) کا فصیح ترجمہ ہے جس میں منشی احمد خانصاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر نے دل فصاحت و دقیقہ سنجی دکھائی ہے اور تعلیم یافتہ روشن خیالوں کے لیے سرمدی زندگی بخشنے والی غذائے روح ہے قیمت بہت سستی ہے یعنی فی جلد (صفحہ ۵۷۶) عہ

مجموعۂ رسائل نور - یہ نواب سید نور الحسن خانصاحب عرف نور میاں - کے بہت سے رسالوں کا مجموعہ ہے - حضرت مولنا شاہ فضل الرحمن صاحب قدس سرہ العزیز کے ملفوظات و مکتوبات کا ایک بے بہا ذخیرہ کہا جائے تو بجا ہے قیمت مجلد عہ

مدوجزر اسلام مسمی مسدس حالی مع ضمیمہ چھوٹے پیمانہ پر بہت خوبصورتی سے چھاپی گئی ہے آخر میں مولنا حالی کی ایک مختصر سوانح عمری بھی شامل ہے قیمت فی جلد ۶/

دولت امیری - یعنی امیر عبد الرحمن خان صاحب مرحوم والی افغانستان کی سوانح عمری اس کتاب میں امیر نے اپنی روزانہ زندگی کے تفصیلی واقعات اور افغانستان و انگلستان اور روس کے تعلقات خود اپنے قلم سے لکھے ہیں - قیمت مجلد عہر

دولت درانیہ - احمد شاہ درانی کے مفصل حالات ہندوستان پر متواتر حملے - سکھوں اور مرہٹوں کی مشہور معرکہ آرائیاں بڑے بسط و توضیح سے بیان کی گئی ہیں قیمت فی جلد عہ

تاریخ اسپین مسلمانوں کا اسپین پر حملہ اور پوری طرح تسلط ہونے تک جو واقعات پیش آئے ہیں وہ سب نہایت عمدگی سے مختصر طور پر درج کر دیے گئے ہیں قیمت مجلد عہ

معارج الدین مصنفہ جناب مولوی سید نواب علی صاحب ایم - اے پروفیسر بڑودہ کالج اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ دنیا بھر کے مذاہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو موجودہ سائنس اور فلسفہ کے مقابلہ میں ٹھہر سکتا ہے علاوہ اس کے مختصر طور پر اہل ہنود - یونانیوں - زرتشتیوں - یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد بھی اس کتاب میں بتائے گئے ہیں لکھائی چھپائی نہایت عمدہ - قیمت مجلد عہ

شماتت ہمسایہ - عہ

ثمرۂ دیانت - ۶/

یہ دونوں ناول قاضی عزیز الدین صاحب کے مشہور و معروف تصانیف ہیں اور اب بازار میں عام طور پر نہیں ملتے تھے - اتفاق سے چند جلدیں ہمارے ہاتھ آگئی ہیں -

المشتہر

محمد صدیق حسن منیجر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

تصانیف مولنا محمد عبدالحلیم صاحب شرر

(تاریخ)

(۱) جنید بغدادی ۔ حضرت جنید کے حالات ۔ ۸/

(۲) ابوبکر شبلی ۔ حضرت شبلی کے حالات ۔ ۸/

(۳) تاریخ سندھ ۔ عرب کی فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ جلد اول ۱۲/ جلد دوم ۱۲/

(۴) عصر قدیم ۔ اقوام سلف کی نہایت واضح تاریخ (لائبریری ایڈیشن نمبر ۴)

(۵) حروب صلیبیہ ۔ انگریزی سے ترجمہ اور ...

(۶) افسانہ قیس ۔ مجنون عامری کے حالات (لائبریری ایڈیشن نمبر ۱) ۱۲/

(۷) حسن بن صباح ... بمبئی کے خوجوں کی اصلیت (لائبریری ...)

(۸) سکینہ بنت حسین ۔ جناب سکینہ کے حالات زندگی ۔

(۹) خواجہ معین الدین چشتی ۔

(۱۰) ملکہ زنوبیہ ۔ سلف کی ایک حوصلہ مند ملکہ ۲/

(۱۱) آغائی صاحب رئیس مرحوم کے حالات ۔ عہ/

ناول

(۱۲) فلورا فلورنڈا ۔ اندلس میں سلطنت عرب (لائبریری ایڈیشن نمبر ۶) ۱۲/

(۱۳) فلپانا ۔ عہد صحابہ کا ایک سچا واقعہ (لائبریری ایڈیشن نمبر ۷)

(۱۴) رومتہ الکبریٰ ۔ روم پر گاتھ لوگوں کا حملہ

(۱۵) زوال بغداد ۔ دولت عباسیہ کا استیصال

(۱۶) ماہ ملک ۔ غوریوں کا عروج ۔

(۱۷) یوسف نجمہ کامل ۔ جگ بیتی نہیں آپ بیتی ۔ عہ/

(۱۸) فتح اندلس ۔ اسپین پر عربوں کا حملہ ۔

(۱۹) فردوس بریں ۔ جیتے جی جنت کی سیر

(۲۰) غیب دان دولھن ۔ حیرت انگیز غیب دانی ۔ عہ/

(۲۱) محسن کا ڈاکو ۔ حرام پور کے نواب کی سرگذشت حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۔ ۱۲/

(۲۲) اسرار دربار حرام پور ۔ حرام پور کے نواب کے اور حالات نمبر (۱) ۵/ نمبر (۲) ۵/

(۲۳) خوفناک محبت ۔ ہندوستانی شریف زادیوں کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی ۔ عہ/

(۲۴) الفانسو ۔ جزیرہ سسلی (صقلیہ) کے قدیم حالات کا ایک تاریخی واقعہ عشق نہایت سچے اور موثر جذبات ۔ ۱۲/

متفرق

(۲۵) الحکم الرفاعیہ ۔ معرفت میں سید احمد رفاعی کے ایک پُر مغز رسالہ کا ترجمہ ۔ ۲/

(۲۶) سرسید کی دینی برکتیں ۔ ۲/

دلگداز کی جلدیں

(۲۷) جلد سنہ [illegible] عہ/	(۳۱) جلد سنہ ۱۹۰۹ء عہ/	(۳۵) سنہ ۱۹۱۳ء عہ/
(۲۸) جلد سنہ [illegible] عہ/	(۳۲) جلد سنہ [illegible] عہ/	(۳۶) سنہ [illegible] عہ/
(۲۹) جلد سنہ [illegible] عہ/	(۳۳) جلد سنہ [illegible] عہ/	(۳۷) سنہ ۱۹۱۵ء عہ/
(۳۰) جلد سنہ [illegible] عہ/	(۳۴) جلد سنہ ۱۹۱۲ء عہ/	

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

معاشرت ۔ انگریزی کی گلستان سرجان لبک کی مشہور کتاب "یوز آف لائف" کا ترجمہ ۔ ۶/

یادش گل ۔ ایک نہایت ہی دلچسپ ناول موسوم "کنیتھ" کا ترجمہ جسے مولوی محمد صدیق حسن صاحب نے نہایت ہی خوبی و فصاحت سے ترجمہ کیا اور ۱۹۱۵ء کے دل فروز میں شائع ہوا ۔ قیمت ۔ عہ/

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

ایڈیٹر

مولٰنا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

سب ایڈیٹر

مولوی محمد صدیق حسن صاحب

منیجر و پبلشر

المسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

دلگداز پریس مین چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹڑہ بزن بیگ خان سے شائع ہُوا

نیکی کا بدلہ بدی

یہ ایک عجیب اُلٹا اصول ہے جو بہ ظاہر تو خلاف قیاس نظر آتا ہے
مگر غور سے دیکھیے تو دنیا مین اکثر ہوتا ہی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس مقولے
نے ضرب المثل کی شان حاصل کر لی ہے۔ ہم اِس قول کو بچپن سے سنتے آئے
ہین۔ اور اس کے متعلق کئی کہانیان بھی ہین جو اس کی تصدیق کرتی ہین۔
مگر پھر بھی دل کو اطمینان نہین ہوتا کہ نیکی کا بدلہ بدی ہو۔ جس کسی کے ساتھ
بھلائی کی جائے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ برائی کرنے کی جرأت کرے۔ بنی اسرائیل
کا ابتدائی عقیدہ یہی تھا کہ ہر بُرے بھلے کام کا ویسا ہی بدلہ دنیا مین مِل جایا کرتا ہے۔
اُن کی تاریخ اِس قسم کے ہزارہا واقعات پیش کر رہی ہے جو ما سبق بُرائی
یا بھلائی کے نتائج تھے۔

ہندؤن۔ پارسیون۔ اور قدیم یونانی و رومی فلسفیون کے نزدیک
بھی مسئلہ تناسخ کی بنیاد اسی اصول پر قائم ہے کہ جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے۔
ایک زیادہ مشہور و مقبول مثل ہے ”جیسا کرنا ویسا بھرنا“ جس نے عقیدے
کی صورت اختیار کر لی۔ اور جس کسی نے یہ مثل سُنی ہرگز نہ مانے گا کہ دنیا مین
نیکی کا بدلہ بدی ہوا کرتا ہے۔

مگر باوجود اِس کے ہم حیرت سے دیکھتے ہی ہین کہ دنیا مین اکثر نیکی کا
بدلہ بُرائی ملا کرتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے معمولی واقعات جو ہمین اکثر پیش آتے
رہتے ہین اُن کا لحاظ نہ بھی کیجیے تو تاریخ مین اکثر ایسے ایسے اہم واقعات
نظر آتے ہین جو اس ناپسند اور غیر مطبوع اصول کی تصدیق کرتے ہین۔ اور

اُن کو دیکھ کے قطعی طور پر یقین ہو جاتا ہے کہ فی الحقیقت دنیا مین اکثر نیکی کا بدلہ بدی ہی ملا کیا ہے۔

مسلمانون کی تاریخ مین سب سے اہم تین خاندان خلافت ہین جن کے تاجدارون کو دعویٰ تھا کہ وہ اولی الامر ہین۔ اور حکمرانی کے ساتھ دینی مقتدائی بھی اُنھین کا حصہ ہے۔ ہم ابتدائی خلفائے راشدین سے بحث نہین کرتے جن کے فرمان روا صحبت یافتۂ رسول ہونے کے باعث معصوم نہ تھے تو معصومی کے درجے کے قریب ضرور پہونچے ہوئے تھے۔ اُن کے بعد جن خاندانون نے مسند خلافت پر جلوس کیا اُن مین سب سے پہلے بنی امیۂ شام تھے۔ بعد ازان بنی عباس جن کا مرکز خلافت عراق تھا اور پھر اُن کے بعد بنی فاطمۂ مصر تھے۔

ان تینون خلافتون کے جو بانی تھے وہ اُنھین لوگون کے ہاتھ سے مارے گئے جن کو اُنھون نے محکومی اور مفلوک الحالی کے گڑھے سے نکال کے اورنگ شہریاری پر بٹھایا تھا۔ اور ایک ادنیٰ شخص سے شاہنشاہ صاحب تاج دیہیم بنا دیا تھا۔

ہم نہین کہتے کہ وہ بے وجہ مارے گئے۔ یقیناً اُن سے قصور سرزد ہوئے۔ مگر جس کسی نے ایسے زبردست حقوق حاصل کر لیے ہون اُس کے ساتھ کچھ تو مروّت ہونی چاہیے۔ اور گو ممکن ہے کہ کبھی اُنھون نے اپنے احسانات کے غرور و ناز مین آداب شاہی کی نگہداشت نہ کی ہو۔ مگر اتنی ہی بنا پر اُن کے احسانون کو بھول کے محسن کشی کرنا اور خود اپنے محسن کے خون مین ہاتھ رنگنا انسانیت سے بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ اب ہم تینون مذکورۂ بالا خلافتون کے بانیون کے حالات اور اُن کے قتل ہونے کی سرگزشت جُدا جُدا تفصیل سے بیان کرتے ہین۔ تاکہ دنیا کو عبرت ہو کہ اُس کی سواد مین کیسی کیسی بے وفائیان اور احسان فراموشیان ہو چکی ہین۔ اور وہ کیسی سرد مہریون اور بے مروتیون کا گھر ہے۔

خلافت بنی اُمیہ کا بانی عمرو بن سعید

یہ شخص ابو العاص بن اُمیہ کا پوتا۔ مشہور صحابی عمرو بن ابی العاص کا بھتیجا پہلے اُموی خلیفہ مروان بن حکم کا چچازاد بھائی۔ اور اپنے وقت کا ایک نامور سپہ سالار تھا۔ جب ۱۴ ربیع الاول سنہ ۶۴ھ کو یزید بن معویہ مرا۔ اور اُس کے مرنے کے تین مہینے بعد اُس کا بیٹا اور ولی عہد معویہ بن یزید بھی خلافت سے دست بردار ہو گیا تو قلمرو خلافت مین جابجا نئے نئے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دمشق و شام مین اُموی خاندان والے چاہتے تھے کہ خلافت ہمارے ہی ہاتھ مین رہے۔ اہل عراق خون حسینؑ کے انتقام مین سرگرم تھے اور حضرت علی کے بیٹے محمد بن حنفیہ کو اُبھار کے صاحب تاج و دیہیم بنانا چاہتے تھے۔ مکۂ معظمہ مین عبداللہ بن زبیر نے لوگون سے اپنے ہاتھ پر بیعت لے کے علم خلافت بلند کیا۔ اور اُن کے داعی مصر و شام مین جا پہونچے۔

یہ رنگ دیکھ کے ملک شام مین معززین بنی اُمیہ نے مروان بن حکم بن ابی العاص کو دعوی خلافت کرنے پر آمادہ کیا۔ دو چار روز اِن لوگون مین اختلاف رہا اور آخر ۳ ذی قعدہ سنہ ۶۴ھ کو روح بن زنباع کی ایک مدلل و پر اثر تقریر نے یہ طے کر دیا کہ اس وقت مروان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے جو یزید کی بی بی کے ساتھ عقد کر کے اُس کے کمسن بیٹے خالد بن یزید کا ولی بن گیا تھا۔ پھر مروان کے بعد خالد بن یزید خلیفہ ہو۔ اور اُس کے بعد یہی عمرو بن سعید بن ابی عاص جس کے حالات ہم لکھنا چاہتے ہین۔

اس قرارداد کے مطابق لوگون نے مروان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور عمرو بن سعید مذکور اُس کا سپہ سالار قرار پایا جس نے اِس امید مین کہ آخر مین مجھی کو مسند خلافت ملنے گی بڑی جان بازی و شجاعت سے مروان کی خلافت کے مضبوط کرنے کی کوشش شروع کی۔ پہلے اُس نے بڑھ کے اُن لوگون کی قوت توڑ دی جو اطراف و مصر مین ابن زبیر کی جانب داری کر رہے تھے۔ پھر دیگر بلاد شام مین سفر کر کے دشمنون کا زور توڑا۔ اور

مصعب بن زبیر کو ارض شام مین ایسی زبردست شکست دی کہ پھر اُن کے کسی طرفدار کو
اِس ملک مین آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور مروان کی حکومت پورے شام و مصر
مین قائم ہوگئی۔ اِن فتحمندیون کے دوران مین کسی دن اُس کی زبان سے یہ
کلمہ نکل گیا کہ "مروان کے بعد میرے سوا کون خلیفہ ہو سکتا ہے؟" لگانے والون
نے یہ خبر مروان کو پہونچا دی۔ وہ گھبرایا۔ اور تخت نشینی کے دوسرے ہی برس ۶۵ھ
مین ایک دن دربار کر کے تمام ارکان دولت سے اپنے دونون بیٹون عبدالملک
اور عبدالعزیز کی ولی عہدی کی بیعت لے لی۔ اس کارروائی کو پورا سال نہین
ہوا تھا کہ خالد بن یزید کی مان نے جو اپنے بیٹے کے تاج و تخت سے محروم کر دیے
جانے پر برافروختہ تھی مروان کو تکیون کے نیچے کچل کے اور گلا گھونٹ کے
مار ڈالا۔ اور عبدالملک اُس کا جانشین ہو گیا۔ اس لیے کہ وہ ولی عہد قرار پا چکا تھا۔

اب خالد ابن یزید اور اُس کی مان کو تو اپنی محرومی کا انتقام مل گیا
تھا۔ مگر عمرو بن سعید کو اپنی ناکامی پر کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ چار ہی سال کے
اندر اُس کی یہ بیقراری عبدالملک پر کھل گئی۔ اسی اثنا مین عبدالملک کو سفر کی
ضرورت پیش آئی۔ اُس نے عبدالرحمن بن ام الحکم الثقفی کو اپنا نائب بنا کے دمشق
مین چھوڑا۔ اور عمرو بن سعید اور دیگر سردارون کو ہمراہ رکاب لے کے چل کھڑا
ہوا۔ اطراف حلب تک پہونچنے پایا تھا کہ ایک شب کو صبح ہونے ہی سے پہلے عمرو اُسکا
ساتھ چھوڑ کے دمشق کی طرف پلٹ پڑا۔ حمید اور زہیر نام دو صاحب اثر رفیقون
کو اپنے ساتھ لیا۔ سواد دمشق تک پہونچتے پہونچتے اُنھون نے تھوڑی بہت جمعیت
بھی اکٹھا کر لی اور دمشق پر پہونچتے ہی بلا تامل دھاوا کر دیا۔ عبدالملک کا نائب
بھلا کیا تاب لا سکتا؟ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور عمرو نے بے زحمت دمشق مین داخل ہو کے
قصر شاہی اور مسند خلافت پناہی پر قبضہ کر لیا۔ خزانہ اور شاہی محل لوٹ
لیے۔ عبدالرحمن کا گھر کھود ڈالا۔ معززین شہر کو جمع کر کے اُن سے اپنی خلافت
کی بیعت لے لی۔ اور اُن سے ساتھ دینے کا عہد و پیمان بھی کرا لیا۔

سواد حلب مین صبح کو جب عبدالملک کی آنکھ کھلی تو عمرو کو غائب پایا۔
لوگون سے پوچھا کہاں گیا؟ جن لوگون کو اُس کا منشا اور ارادہ معلوم تھا

اُنھون نے بلا تامل اصل حقیقت بیان کر دی۔ یہ سُن کے عبدالملک بھی دمشق کی طرف پلٹا۔ مگر عمرو نے دیبا سامان جمع کر لیا تھا اور شہر کی ایسی مضبوطی کر لی تھی کہ جس آسانی سے اُسے دمشق مین داخل ہونے کا موقع مل گیا تھا عبدالملک کو نہ ملا۔ ادو دونون جانب سے لڑائی شروع ہو گئی جس کا سلسلہ چند روز تک جاری رہا اور دونون جانب ایسے زبردست اور نبرد آزما سپہ سالار تھے کہ کسی طرح لڑائی کا فیصلہ ہونے کو نہ آتا۔ عمرو کی طرف سے جب حمید بن حریث سپہ سالار بن کے آتا تو اُس کے مقابلے مین عبدالملک کی طرف سے سفیان بن ابرد کلبی نکلتا۔ اور جب زہیر بن ابرد کلبی عمرو کی طرف سے میدان مین آتا تو اُس کے مقابلے کو عبدالملک کی طرف سے حسان بن مالک بن بجدل نکلتا لطف کی یہ بات تھی کہ ابرد کلبی کے دو بیٹون زہیر اور سفیان مین سے ایک عمرو بن سعید کی طرف تھا اور ایک عبدالملک کی طرف۔ جو حتی الامکان ایک دوسرے کا سامنا کرنے سے اعراض کرتے۔

آخر کار عبدالملک نے تھک کے اور عاجز آکے عمرو بن سعید سے صلح کر لی۔ ایک تحریری معاہدہ ہو گیا جس مین دونون کے حقوق مشخص و مقرر کر دیے گئے۔ اور اُس کی تکمیل کے بعد عبدالملک کو دمشق مین داخل ہونا نصیب ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے اگرچہ عبدالملک ہی خلیفہ رہا تھا مگر عمرو بن سعید کو جو آزادی و مطلق العنانی حاصل ہو گئی تھی اُس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ صلح کے بعد عمرو اپنے سوارون کے جلوس کے ساتھ عبدالملک سے ملنے کو آیا تو ہمراہی سوارون نے خاص عبدالملک کے خیمون کی طنابین گھوڑون کی ٹاپون سے روند روند کے توڑ ڈالین اور خیمون کو گرا دیا۔ عبدالملک نے یہ سب باتین دیکھین مگر دم نہ مارا۔ اور عمرو سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ اور دونون بظاہر ایسی صفائی سے ملے کہ بہتون کو خیال ہوا کہ دونون کے سینے کدورت سے پاک ہین۔

اب پھر عبداللہ بن زبیر کی مہم پیش آگئی۔ اِس لیے کہ اُن کے شجاع و جانباز بھائی نے عراق و فارس کے ملکون مین اپنا سکہ جما دیا تھا۔ اور سارے عرب پر حاکم و متصرف تھے۔ عبدالملک کو اُن کے مقابلے کے لیے عراق کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ اور چونکہ یہ مقابلہ خاندانی عزت و وقار کا تھا اس لیے عمرو بن سعید

نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔ مگر راستہ مین کسی موقع پر اُس نے عبدالملک سے کہا "آپ تو ہم آپ عراق کے عازم ہین لیکن مجھے کہنا ضروری ہے کہ آپ کے والد نے آپ کے بعد مجھی کو مستحق خلافت قرار دیا تھا۔ اور اسی وجہ سے مین نے اُن کی طرفداری مین اپنی جان بھی لڑا دی۔ اب آپ مجھے اپنا ولی عہد تسلیم کر لین تو پھر مین ہمہ تن آپ کا ہو جاؤن۔ اور آپ کے لیے جوہر شجاعت دکھاؤن" عبدالملک یہ سُن کے ٹال گیا۔ اور کچھ جواب نہین دیا۔

اس لڑائی سے عبدالملک کامیاب و فتحمند ہو کے دمشق مین واپس آیا تو ایک دن عمرو کو اپنے گھر مین مہمان بلایا۔ جس وقت ہرکارہ عمرو کے پاس یہ پیام لایا ہے اُس کے پاس یزید بن معاویہ کا بیٹا عبداللہ بیٹھا ہوا تھا جو عمرو کا داماد تھا۔ اُس نے کہا "مجھے آپ سے بے انتہا محبت ہے۔ اور میری راے یہ ہے کہ آپ نہ جائین" عمرو نے پوچھا "کیون؟" عبداللہ نے کہا "اس لیے کہ کعب احبار کی بیٹی تبیعا کی پیشین گوئی ہے کہ بنی اسماعیل کا ایک شخص پلٹ کے جائے گا۔ اور اُس پر دمشق کے دروازے بند ہو جائین گے۔ اس کے بعد وہ دمشق سے نکلے گا۔ اور پھر مارا جائے گا"

عمرو نے اِس کی پروا نہ کی۔ اور جواب دیا کہ "واللہ عبدالملک مجھے سوتے مین بھی نہین روک سکتا۔ اور نہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کل رات کو مین نے خواب مین دیکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مجھے اپنا کرتا پہنا دیا" یہ کہہ کے ہرکارے سے کہا "اُن سے کہنا کہ مین شام کو آؤن گا"

شام کو عمرو نے زرہ پر قبا پہنی۔ ہتھیار لگائے۔ اور اُٹھ کے چلا۔ اتفاقاً فرش کی شکن مین ٹھوکر کھا کے گر پڑا۔ حمید بن حریث (پرانا رفیق) پاس بیٹھا تھا۔ یہ دیکھ کے کہنے لگا "اب اِسوقت آپ نہ جائین" یہی عمرو کی بی بی نے بھی کہا۔ مگر اُس نے کسی کی نہ سُنی اور سو غلامون کو ہمراہ رکاب لے کے چل کھڑا ہوا۔

عبدالملک کی صحبت مین اُس وقت آل مروان کے تمام لوگ جمع تھے عمرو دروازے پر پہونچا تو کچھ غلام باہر روک لیے گئے۔ دوسرے پھاٹک پر کچھ اور غلام روک دیے گئے۔ یونہین متعدد پھاٹک تھے۔ اور ہر پھاٹک کے

باہر عمرو کے کچھ غلام روک رکھے گئے۔ یہان تک کہ جب خاص ڈیوڑھی پر پہونچا تو فقط ایک غلام باقی تھا جو ساتھ اندر داخل ہوا۔ اندر جا کے عمرو نے تمام بنی مروان اور اپنے دشمن حسان بن بجدل کلبی وغیرہ کو دیکھا تو دل مین کھٹکا اور پلٹ کے غلام سے کہا "جا کے میرے بھائی یحییٰ کو بلا لاؤ" اُس نے بے سمجھے "لبیک" کہدی اور اِس پر جھنجھلا کے عمرو نے کہا "جہنم مین جاؤ!"

استنے مین عبدالملک کے اشارے سے حسان وغیرہ اُس کے استقبال کو بڑھے وہ لوگ عمرو کو اندر لے گئے۔ اور دروازہ بند ہو گیا۔ جس کے بعد وہ باقیماندہ غلام بھی چھوڑ گیا۔ عبدالملک نے اُسے اپنے برابر تخت پر بٹھا لیا۔ اور باتین کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد عبدالملک نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ "اِن کی تلوار لے لو" عمرو نے یہ سُن کے "انا للہ" پڑھی اور کہا "امیرالمومنین آپ یہ کیا فرماتے ہین؟" جواب ملا "بھلا یہ مناسب ہے کہ آپ تلوار لگا کے میرے برابر بیٹھین؟" ساتھ ہی غلام نے تلوار لے لی۔ اور پھر باتین ہونے لگین۔

تھوڑی دیر کے بعد عبدالملک نے کہا "ابو اُمیہ (یہ عمرو کی کنیت تھی) آپ نے جب مخالفت کی ہے تب مین نے قسم کھائی تھی کہ جب میری نظر آپ پر پڑے گی آپ کو رسی مین باندھون گا" تمام بنی مروان ورفقا جو شریک صحبت تھے سب نے خلیفہ کی زبان سے یہ کلمات سنتے ہی متفق اللفظ ہو کے کہا "تو امیرالمومنین کی قسم کو ضرور پورا ہونا چاہیے" اور عبدالملک بولا "مگر یہ محض قسم ہی پوری کرنے کے لیے مین چاہتا ہون۔ باندھنے کے بعد ہی آپ کو فوراً کھول دونگا۔ اِن کے باندھ رکھنے مین میرا کیا فائدہ ہے؟" عمرو نے بھی شرما شرمی قبول کر لیا۔ اور عبدالملک نے فرش کے نیچے سے رسی نکال کے عمرو کو اُس مین خوب کس کے باندھا۔ اور جکڑ کے ڈال دیا۔ عمرو نے کہا "امیرالمومنین! مجھے باندھا ہے تو اِس حالت مین مجمع عام کے سامنے نہ نکالیے گا۔ ورنہ میری بڑی رسوائی ہو گی" عبدالملک نے اس کے جواب مین ہنس کے کہا "ابو اُمیہ! اِس وقت بھی تم فریب سے نہ باز آئے! بے شک تم اِس حالت مین باہر نہ نکالے جاؤ گے کیا تم جیسی قسم چاہو ویسی لو؟" یہ کہتے ہی رسی کا سرا پکڑ کے ایسا جھٹکا دیا کہ عمرو

اوندھے منہ گر پڑا۔ اور دو دانت ٹوٹ گئے۔ اور کہنے لگا "امیر المومنین! میری ایک ہڈی ٹوٹ گئی۔ پس اس زیادہ سختی میرے ساتھ نہ ہو" عبد الملک بولا "افسوس تمھارے یہ دو دانت ایسے ٹوٹ گئے ہین کہ اب تم مجھے بالکل اچھے نہین معلوم ہوتے"
اب عبد الملک نے اپنا ارادہ صاف صاف بیان کر دیا اور کہا "عمرو! اگر مجھے اعتبار ہوتا کہ مین تم کو زندہ چھوڑ دوں گا تو تم بھی میرے ساتھ ایسی ہی رعایت کرو گے اور تمام قریش کو راہ راست پر لے آؤ گے تو بیشک مین تمھین چھوڑ دیتا۔ مگر سچ یہ ہے کہ مجھ مین تم مین جو نسبت و علاقہ ہے ایسے تعلقات کے دو آدمی آج تک اس دامان کے ساتھ کبھی دنیا مین جمع ہوئے ہین اور نہ ہون گے۔ اور جب کبھی ایسا ہوا بھی ہوگا تو ایک نے دوسرے کو کانٹا باہر کیا ہوگا" جب عمرو نے یہ کلمات سُنے اور یہ رنگ دیکھا تو زندگی سے مایوس ہوئی۔ اور طیش مین آکے کہا "او کرنجی عورت[ع] والے! ایسا غدر!"
اتنے مین موذن نے جامع دمشق مین اذان دی۔ عبد الملک نماز پڑھانے کے لیے باہر گیا۔ اور اپنے بھائی عبد العزیز سے کہتا گیا کہ "میرے آنے سے پہلے ہی اسکا کام تمام کر دینا" اس ہدایت کے مطابق عبد العزیز تلوار کھینچ کے عمرو بن سعید کے سر پر پہونچا تو اُس نے کہا "عبد العزیز خدا کو یاد کرو۔ اور میرا خون اپنے سر پر نہ لو کسی ایسے کو منتخب کرو جس سے قرابت نہ ہو" اس کا عبد العزیز پر ایسا اثر ہوا کہ تلوار ہاتھ سے پھینک دی۔ اور خاموش بیٹھ رہا۔
عبد الملک جلدی جلدی نماز ادا کر کے قصر کے تمام پھاٹک یکے بعد دیگرے بند کرواتا ہوا جب اندر آیا تو عمرو کو زندہ پا کے عبد العزیز سے سبب پوچھا۔ اُس نے اصل حقیقت بیان کر دی۔ عبد الملک نے بگڑ کے بھائی کو سخت سست کہا۔ اور خود نیزہ ہاتھ مین لے کے عمرو پر حربہ کیا۔ جو بالکل کارگر نہ ہوا۔ دوسرا وار کیا

ع۔ یہ عبد الملک ہی کے ساتھ مخصوص نہین ہے بلکہ مروان اور اُس کے تمام لڑکے بالے مذمت و تحقیر کے موقع پر "کرنجی والے" کہلاتے تھے۔ کرنجی دراصل مروان کی دادی زرقا بنت موہب تھی جو جاہلیت مین ایک بازاری رنڈی تھی۔ مگر غالباً آخر مین ابو العاص بن اُمیہ نے اُس کے ساتھ عقد کر لیا تھا۔

اور وہ بھی بیکار گیا۔ یہ دیکھ کے اُس نے عمرو کے شانے پر ہاتھ مارا تو معلوم ہوا کہ قبا کے نیچے زرہ پہنے ہے۔ طعن کے لہجہ مین بولا "جی زرہ بھی زیب تن ہے؟ خوب تیار ہو کے تشریف لائے ہین؟" یہ کہہ کے لوگون کو حکم دیا کہ "اسے چت لٹا دو" اور جیسے ہی اِس حکم کی تعمیل ہوئی خنجر ہاتھ مین لے کے عمرو کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر سے ذبح کر ڈالا۔ اور جب اُس کے جسم کا پھڑکنا محسوس ہوا تو اُچک کے سینے سے اُترا۔ اور اپنے تخت پر جا بیٹھا۔

یہان اندر تو یہ ہوا۔ اُدھر باہر لوگون نے جب دیکھا کہ عبدالملک کے ساتھ عمرو بن سعید نماز کو نہین نکلا اور عبدالملک کے واپس جاتے ہی قصر خلافت کے پھاٹک بند کر دا دیے گئے تو لوگون نے دوڑ کے عمرو کے بھائی یحییٰ کو خبر کی۔ وہ پہنگردن کا ایک انبوہ کثیر لے کے محل پر چڑھ آیا۔ عمرو کے ایک ہزار غلام جو یہان موجود تھے اور اُس کے اور بہت سے رفقا بھی آ گئے اور سب نے محل کو گھیر کے غل مچانا شروع کیا کہ "اے ابو اُمیہ! (عمرو) ہمین اپنی آواز سُنا دو کہ اطمینان ہو۔ حمید اور حریث نے دھکے دے دے کے قصر کا دروازہ توڑ ڈالا۔ اور دربانون اور حامیان قصر پر تلوارین برسانا شروع کر دین یہان تک کہ ایک گھڑی تلوار خود عبدالملک کے بیٹے ولید کے سر پر پڑ گئی۔ اور اُسے زخمی دیکھ کے ابراہیم بن عربی جو دیوان خلافت تھا اپنے دفتر مین اُٹھا لے گیا۔ اب تمام آل مروان اور اُن کے رفقا ان لوگون کے روکنے کے لیے قصر سے باہر نکل پڑے۔ اور سخت لڑائی ہونے لگی۔ یحییٰ اور اُس کے طرفدار سخت یورشین کر رہے تھے۔ اور طرفداران خلافت کو اپنی حالت خطرناک نظر آتی تھی۔

اتنے مین عبدالرحمن بن اُم الحکم ثقفی نے عمرو بن سعید کا سر لا کے یحییٰ کے سامنے ڈال دیا۔ مطلب یہ تھا کہ "جس کے لیے لڑ رہے ہو اُس کی تو یہ حالت ہوئی۔ اب لڑائی سے کیا حاصل ہو گا؟" مگر اپنے سردار اور معزز عزیز کو مقتول دیکھ کے یحییٰ اور اُس کے رفقا کو اور طیش آیا اور سب آمادہ ہو گئے تھے کہ عبدالملک سے اُس کے خون کا انتقام لے لین۔

یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو عین اُس لڑائی کی حالت مین عبدالعزیز روپون اور اشرفیون کے بہت سے توڑے لے کے قصر کے اوپر چڑھ گیا۔ وہان توڑون کے مُنہ کھول دیے۔ اور لڑنے والون پر سونے چاندی کا مینہ برسانے لگا۔ جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ لوگ لڑائی بھول گئے۔ دوڑ دوڑ کے روپیہ اور اشرفیان لوٹنے لگے۔ اور دم بھر مین سارا ہنگامہ فرو ہو گیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد جب لوگون کا جوشِ خونریزی فرو ہو گیا تو عبدالملک نے کہدیا کہ جن جن لوگون نے روپیے اشرفیان لوٹی ہون اُن سے چھین کے پھر خزانۂ خلافت مین داخل کر لی جائین۔

اب ہر طرف سے اطمینان کر کے عبدالملک نے اپنا تخت قصر سے نکلوا کے مسجد مین بچھوایا۔ اور ارادہ کیا کہ تمام شورش کرنے والون کو سزا دے۔ لیکن یہ سُن کے کہ ولید اِس ہنگامے مین زخمی ہو کے گرا تھا اور اُس کا کہین پتہ نہین ہے گھبرا گیا اور کہا "اِن لوگون نے اگر ولید کو مار ڈالا ہے تو انھون نے خدا کی قسم عمرو بن سعید کے خون کا بدلہ لے لیا" یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اُس کے دیوان ابراہیم نے آ کے عرض کیا "وہ زخمی بے شک ہوئے۔ مگر زخم خطرناک نہین ہین۔ اور مین اُنھین اپنے دفتر مین اُٹھا لے گیا ہون"

بیٹے کی طرف سے مطمئن ہو کے عبدالملک نے پھر سزا دہی کی کارروائی شروع کی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابوالعاص بن اُمیہ کی نسل ہی کو فنا کر دیا چاہتا ہے۔ پہلے لوگ عمر کے بھائی یحییٰ کو پکڑ کے لائے۔ اور عبدالملک نے دیکھتے ہی قتل کا حکم دیا۔ مگر اُس کے بھائی عبدالعزیز نے آ کے کہا "کیا آپ ایک ہی دن مین سارے بنی اُمیہ کا خاتمہ کر دین گے؟" یہ سُن کے عبدالملک نے اُس کا خون معاف کر کے اُسے قید خانے مین بھیج دیا۔ اسی طرح عمر کے دوسرے بھائی عنبسہ اور عامر بن اسود کلبی کی جانین بھی عبدالعزیز کی سفارش سے بچین۔ پھر مقتول بن سعید کے چار بیٹے اُمیہ۔ سعید۔ اسمٰعیل۔ اور محمد پکڑ کے حاضر کیے گئے۔ ان سب کی گرفتاری کا حکم ہوا۔ اور چند روز کے بعد وہ چارون مع اپنے چچا یحییٰ کے مصعب بن زبیر کے پاس چلے گئے۔ اِس لیے کہ مصعب

اُن کے صحیح حامی ہو سکتے تھے۔ اور امید تھی کہ وہ ان لوگوں کی قدر کرین گے۔ اور شاید اُن کے ذریعہ سے ان کو اپنا انتقام مل جائے۔

ان سب لوگون کو سزائین دینے کے دو چار روز بعد عبد الملک نے عمرو بن سعید کی کلبیہ منکوحہ کے پاس کہلا بھیجا "مین نے عمرو بن سعید کو جو صلح نامہ لکھ کے دیا تھا اُسے میرے پاس بھیج دو" اُس بہادر عورت نے قاصد سے کہا "اُن سے جا کے کہہ دینا کہ وہ صلحنامہ تو عمرو کے کفن مین رکھوا کے اُن کے ساتھ دفن کرا دیا گیا۔ تاکہ وہ اُسے تمھارے مقابل خدا کے سامنے پیش کرین"

اس کے چند روز بعد جب مصعب بن زبیر عبد الملک سے شکست کھا کے شہید ہوئے تو عمرو بن سعید کے چارون بیٹے پھر عبد الملک کے پاس آ گئے۔ اُن کی صورت دیکھتے ہی عبد الملک بولا "تم لوگ اُس گھرانے کے ہو جس گھرانے کے لوگ اپنے آپ کو اپنی ساری قوم سے افضل و اعلی خیال کرتے ہین حالانکہ خدا نے یہ فضیلت دراصل تم کو دی نہین ہی۔ رہا میرا اور تمھارے باپ کا معاملہ۔ تو یہ جھگڑا آج کا نہ تھا۔ تمھارے مورث ہمارے مورثون کے ساتھ ایام جاہلیت مین بھی بغض رکھتے تھے" اس کے جواب مین بڑے بھائی اُمیہ کی زبان نے تو کچھ یاری نہ دی۔ مگر دوسرا بھائی سعید بولا "امیر المومنین خدا نے جب اسلام کو ظاہر کر دیا تو اب ہمین جاہلیت کی باتون اور عداوتون کو نہ یاد کرنا چاہیے۔ اسلام نے اُن سب جھگڑون کو مٹا دیا۔ رہا والد کا اور آپ کا معاملہ تو وہ آپس کا معاملہ تھا۔ وہ آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ اور اُن کے ساتھ آپ نے جو کچھ کیا ہو گا کچھ جان ہی کے کیا ہو گا۔ عمرو خدا کے پاس پہونچے۔ اور اُن کے معاملہ کو وہی خوب جانتا اور سمجھتا ہے۔ لیکن اِس واقعہ کی بنا پر اگر ہم آپ کی نظر مین مشتبہ قرار پا گئے تو پھر ہمارے لیے زمین کے اوپر رہنے کے مقابل یہ بہتر ہو گا کہ اُس کے اندر سما جائین" یہ جواب سُن کے عبد الملک کو ترس آیا۔ اور کہا "سنو۔ تمھارے باوا مین اور مجھ مین ٹھنی ہوئی تھی کہ یا وہ مجھے قتل کرین۔ یا مین اُنھین قتل کرون۔ مجھ سے اپنی جان دیتے نہ بنا اس لیے مین نے اُن کی جان لے لی۔ رہے تم۔ تو تم اپنے عزیز اور فرزند ہو

اور خون ملا ہوا ہے" یہ کہہ کے اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

موسیقی ہی کے سلسلہ مین سوز خوانی کے بیان کرنے کی ضرورت ہے اگرچہ اس نئے مذہبی فن کو گانے بجانے کے خلاف شرع فنون مین داخل کرنا بے ادبی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ سوز خوانی ایک خاص قسم کی موسیقی ہی ہے۔ محرم مین شہادت سبط اصغر علیہ السلام کی یاد تازہ کرنا ہندوستان مین خاص شیعون نے شروع ہوا خصوصاً اُسوقت سے جبکہ مذہب اثنا عشری ایران کا قومی مذہب بنا اور وہان کے قابل لوگ آ آ کے ہندوستانی دربار مین رسوخ حاصل کرنے لگے تاہم دہلی مین چونکہ عوام اور شاہی خاندان کا مذہب سنت و جماعت تھا اس لیے وہ خاص چیزین جو شیعون کی مذہبی معاشرت کے ساتھ مخصوص تھین وہان نشو و نما نہ پاسکین۔ اس لیے اُن فنون کی پرورش کا گہوارہ شہر لکھنؤ اور اُس کا اگلا شیعہ دربار قرار پاگیا۔

جس طرح مذہبی سرگرمی نے شاعری مین مرثیہ گوئی اور تحت اللفظ خوانی کو پیدا کیا اُسی طرح موسیقی مین سوز خوانی پیدا کر دی۔ اور ان دونون فنون کو یہان تک ترقی دی کہ مستقل فن بن گئے۔ اور ایسے فن جو ابتدا سے انتہا تک لکھنؤ ہی کے ساتھ مخصوص ہین۔ تحت اللفظ خوانی مرثیون کا متانت اور بے تکلفی کے ساتھ اُس طرح پڑھنا اور بتا بتا کے سُنانا ہے جس طرح شاعر مشاعرے مین اپنی غزل سُناتا ہے۔ اور سوز خوانی اُن کو پرسوز و گداز نغمہ کے ساتھ سُنانا ہے۔

اصلی اور پُرانی مرثیہ خوانی سوز خوانی ہی تھی۔ یعنی مرثیہ مجلسون مین ہمیشہ نغمہ کے ساتھ سُنائے جاتے تھے۔ اور اُن کا رواج دہلی ہی نہین ہندوستان کے اُن تمام شہرون مین تھا جن مین حضرات شیعہ آباد تھے۔ مدراس اور دکن تک مین زور و شور سے اُس قسم کی مرثیہ خوانی ہوتی تھی۔ اور ڈیڑھ دو سو برس کے تصنیف کیے ہوئے سوز اور نوحے آج تک موجود ہین۔ مرثیون کو شاعرون کی شعر خوانی کے لہجہ مین ادا کرنا خاص لکھنؤ کی ایجاد ہے۔ اور اُس مین میر انیس اور مرزا دبیر

وغیرہ نے جو کمالات دکھائے اُن کا ذکر ہم شاعری کے سلسلہ مین کر چکے ہین۔

سوز خوانی اگرچہ پہلے سے تھی اور ہر جگہ تھی مگر اُس مین بھی لکھنؤ کے سوز خوانون نے ایسے ایسے کمال دکھائے کہ اِس فن کو بھی اپنے ساتھ مخصوص کر لیا۔ سارے ہندوستان کی اگلی سوز خوانی کا اندازہ اس مثل سے ہو سکتا ہے کہ "بگڑا گویا مرثیہ خوان" لکھنؤ نے سوز خوانی کا پایہ اس قدر بلند کر دیا کہ صاحب کمال گویون کا بازار بھی سوز خوانون کے آگے سرد پڑ گیا۔

لکھنؤ مین سوز خوان دیگر اہل فن کی طرح نواب شجاع الدولہ کے ساتھ یا اُن کے عہد مین آئے۔ تاریخ فیض آباد مین لکھا ہے کہ شجاع الدولہ کی بیوی بہو بیگم صاحبہ کے محل مین مجلسین ہوتین۔ اور جواہر علی خان خواجہ سرا جو اُن کی ڈیوڑھی اور سارے علاقہ کا مختار تھا مرثیہ خوانون کی نوحہ خوانی سُنا کرتا۔ مگر اُس وقت تک یہان کی سوز خوانی وہی تھی جو ہر جگہ عام تھی۔

بعض لوگ کہتے ہین کہ خواجہ حسن مودودی سے یہ فن شروع ہوا۔ وہ مصنف نغمات الآصفیہ کے اُستاد تھے اور باوجود عطائی ہونے کے فن موسیقی مین ایسا کمال[۱] رکھتے تھے کہ دور تک کہین اُن کا جواب نہ تھا۔ اگرچہ سُنّی المذہب تھے مگر اُنھون نے موسیقی کی خاص خاص دھنین سوز دن مین قائم کر کے اپنے شاگردون کو بتائین اور اِس فن کے باضابطہ و باقاعدہ بننے کی بنیاد پڑ گئی۔ اس کے بعد جب شیخ حیدری خان کا زمانہ آیا تو اُن کا معمول تھا کہ محرم مین اپنے مذاق کی مناسبت دھنون مین نوحہ خوانی کیا کرتے چونکہ وہ بہت بڑے صاحب کمال گویے تھے اور دربار قدر دان تھا اِس کوشش مین اُن کو نمایان کامیابی حاصل ہوئی۔

---

[۱] موسیقی مین اُن کے کمال کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ مرہٹون کی دست برد کے زمانے مین وہ میانے مین سوار لکھنؤ سے اٹاوہ کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ مین کسی گاؤن مین گزر ہوا اور سُنا گیا کہ اس گاؤن پر مرہٹے تاخت کرنے والے ہین۔ مگر کہارون نے جو بہت دور سے انھین لیے چلے آتے تھے یکایک میانہ رکھ دیا۔ اور کہا ہم مین اب آگے چلنے کی طاقت نہین ہے۔ ہزار کہا گیا کہ یہ مقام خطرناک ہے مگر اُنھون نے ایک نہ سُنی۔ خواجہ صاحب نے زندگی سے مایوس ہو کے وضو کیا۔ عصر کی نماز پڑھی۔ اور بیٹھے بیٹھے کچھ الاپنا شروع کیا اور اُس کا کہارون پر اِس قدر اثر پڑا کہ تازہ دم ہو گئے اور اُن کی جگہ پہونچا دیا۔

اور پتہ لگ گیا کہ اگر ترقی دی جائے تو یہ فن جداگانہ طور پر ایک خاص اور ممتاز شان پیدا کر سکتا ہے۔ موسیقی کی ہزارہا دھنون مین سے وہ دھنین منتخب کی گئین جو اظہار حزن و ملال اور بین کے لیے مناسب ہون۔ اور وہ صدہا سوزون مین قائم کی گئین۔ آخر مین حیدری خان نے اپنی سوزخوانی سید میر علی صاحب کو سکھا دی جو ایک شریف النسل سیدزادے تھے۔ اور اُنھون نے مذہبی جوش مین اس فن کو بہت زیادہ ترقی دی اور اپنے زمانے مین اتنے بڑے صاحب کمال مشہور ہوئے کہ نواب سعادت علیخان کے عہد مین اُنھون نے کسی بات پر برہم ہو کے لکھنؤ سے چلے جانے کا ارادہ کیا تو انشاء اللہ خان نے اپنے موثر شاعرانہ انداز اور تمسخر کی شان سے سفارش کی۔ اور نواب نے دلدہی و قدردانی کے ساتھ اُنھین روکا۔

اس کے بعد تانسین کے خاندان کا ایک گویا ناصر خان لکھنؤ مین آیا اور چمکا۔ یہان سوزخوانی کی طرف لوگون کا عام توغل دیکھا تو اُس نے بھی اپنے موسیقی کے کمال کو نوجہ خوانی مین صرف کر کے مقبولیت و شہرت حاصل کی۔ اور اپنے پڑوس کی ایک مفلس و بیوہ سیدانی پر ترس کھا کے اُن کے دو بچون میر علی حسن اور میر بندہ حسن کو سوزخوانی کی تعلیم دی۔ ان دونون کا کمال تمام سابق استادون سے بڑھ گیا۔ اور سوزخوانی مین بے عدیل و نظیر ثابت ہوئے۔ اُنھون نے سوزخوانی کو اعلی درجہ کا راگ بنا دیا ہے۔ یہان تک کہ موسیقی کے اصلی راگون کے بول تو اکثر گویون تک کو یاد نہین مگر ایسے سوز اکثر سوزخوانون کو یاد ہین جو راگون کے بول ہین۔ جن کو سُن کے حقیقی راگ اور سچی دھنین متمائز طور پر سمجھ لی جا سکتی ہین۔

انھین بزرگون کی وجہ سے لکھنؤ مین سوزخوانی کا فن گویون سے نکل کے شرفا مین آگیا۔ اور کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہونے لگے جو ڈوم ڈھاری نہین شریف و وضیع ہین مگر سوزخوانی مین ایسا کمال

رکھتے ہین کہ گویون کا بازار اُن کے سامنے سرد پڑ گیا ہے۔

فی الحال منجھو صاحب اور دو ایک اور بزرگ سوز خوانی مین ایسا کمال اور ایسی شہرت رکھتے ہین کہ ہندوستان بھر مین ہر جگہ اُن کے استقبال مین شوق کی آنکھین بچھائی جاتی ہین۔ اور دیگر بلاد کے لوگون کی قدردانی ماہ محرم اور عزاداری کے خاص ایام مین ہمیشہ اُنھین شائقین لکھنو کے ہاتھ سے چھین لیا کرتی ہے۔

سب سے زیادہ اثر اِس مذاق نے لکھنو کی عورتون پر ڈالا۔ سوزدرون کی موثر اور دل کو پاش پاش کر دینے والی دھنین میر علی حسن اور میر بندہ حسن کے گلے سے نکلتے ہی صدہا شریف مردون کے گلے مین اُترین اور اُن کے ذریعہ سے ہزارہا شریف شیعہ خاندانون کی عورتون کے نور کے گلون مین اُتر گئین۔ عورتون کو فطرۃً گانے بجانے کا زیادہ شوق ہوتا ہے۔ اور اُن کے گلے نغمہ کے لیے عموماً زیادہ موزون ہوا کرتے ہین۔ یہ بااصول اور باقاعدہ نوحہ خوانی عورتون مین پہونچی تو اُس مین قیامت کی دلکشی پیدا ہوگئی اور چند روز مین شیعہ ہی نہین ادنے طبقہ کے سنیون کی عورتون مین بھی نوحہ خوانی کا شوق پیدا ہو گیا۔ اور یہ حالت ہوگئی کہ محرم مین اور اکثر مذہبی عبادتون کے ایام مین لکھنو کی گلی کوچون مین تمام گھرون سے پُرسوز وگداز تانون اور دلکش نغمون کی عجیب حیرت انگیز صدائین بلند ہوتی ہین۔ اور کوئی مقام نہین ہوتا جہان یہ سمان نہ بندھا ہو۔ آپ جس گلی مین کھڑے ہو کے سننے لگیے ایسی دلکش آوازین اور ایسا مست وبیخود کرنے والا نغمہ سننے مین آجائے گا کہ آپ زندگی بھر نہین بھول سکتے۔ ہندؤن اور بعض خاص خاص سنیون کے مکانون مین تو خاموشی ہوتی ہے۔ باقی جدھر کان لگایئے نوحہ خوانی کے قیامت خیز نغمون ہی کی آوازین آتی ہوتی ہین۔

تعزیہ داری چونکہ نوحہ خوانی کا بہانہ ہے اِس لیے سُنّی اور شیعہ دونون گروہون کے گھرون مین نوحہ خوانی کے شوق مین تعزیہ داری ہونے لگی۔ اور سنی مسلمان ہی نہین ہزارہا ہندو بھی تعزیہ داری اختیار

رکے نوحہ خوانی کرنے لگے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ لکھنؤ مین تعزیہ داری کے بہت زیادہ بڑھنے اور فروغ پانے کا زبردست باعث نوحہ خوانی ہے۔

لکھنؤ مین بعض شریف شائستہ اور تعلیم یافتہ عورتین ایسی اچھی سوزخوان ہین کہ اگر پردے کی روک نہ ہوتی تو مرد سوزخوان اُن کے مقابلے مین ہرگز فروغ نہ پا سکتے۔ اِس کو بہت مدت ہوئی کہ ایک سال جہلم کے موقع پر چند احباب کے ساتھ مین تال کٹورہ کی کربلا مین گیا تھا اور وہین ایک خیمہ مین شب باش ہوا تھا۔ دو بجے رات کو یکایک آنکھ کھلی تو ایک ایسے دلکش نغمہ کی آواز کان مین آئی جس نے سب دوستون کو جگا کے بیتاب کر دیا۔ ہم سب اُس آواز کے شوق مین خیمہ سے نکلے۔ اور دیکھا کہ آخر شب کا سناٹا ہے چاندنی کھیت کیے ہوئے ہے۔ اور اُس مین عورتون کا ایک غول ایک تعزیہ لیے ہوئے آرہا ہے۔ سب بال کھولے اور سر برہنہ ہین بیچ مین ایک عورت شمع ہاتھ مین لیے ہے۔ اُس کی روشنی مین ایک حسین سرو قد نازنین چند اوراق مین سے پڑھ پڑھ کے نوحہ خوانی کر رہی ہے۔ اور کئی اور عورتین اُس کے ساتھ گلے بازی کر رہی ہین۔ اُس سناٹے۔ اُس وقت۔ اُس چاندنی۔ ان برہنہ سر حسینون۔ اور اُس پرسوز وگداز نغمے نے جو سمان پیدا کر رکھا تھا اُس کو مین بیان نہین کر سکتا۔ نازک اداؤن کا یہ مجمع جیسے ہی کربلا کے پھاٹک مین داخل ہوا اُس سرو قامت نازنین نے پرچ کی دُھن مین یہ نوحہ شروع کیا۔

جب کاروان شہر مدینہ لٹا ہوا پہونچا قریب شام کے قیدی بنا ہوا
نیزے پہ سر حسین کا آگے دھرا ہوا اور پیچھے پیچھے بی بیون کا سر کھلا ہوا

اس مناسب حالت مرثیہ نے یکایک ایسا سمان باندھ دیا کہ شبہ ہوتا تھا کہ ان اشعار کے ذریعہ سے وہ خاتون واقعۂ کربلا کی تصویر کھینچ رہی ہے یا خود اپنے اِس ماتمی جلوس اور اپنے داخلۂ کربلا کی۔

اصل یہ ہے کہ لکھنؤ کی عورتون اور اُن کے ساتھ مردون پر بھی سوزخوانی و عزاداری نے جو نمایان اثر ڈالا ہے اور کسی چیز نے نہین ڈالا۔ اِس کی پہلی برکت تو یہ ہے کہ تمام عورتین بہت اچھی گلے باز ہوگئین۔ اور موسیقی کے سچے اصول کے ساتھ نوحہ خوانی کرنے لگین۔ دوسری برکت یہ کہ سارے اہل شہر کو عام اِس سے

کہ مرد ہوں یا عورت موسیقی کے ساتھ مناسبت ہوگئی۔ یہ جو لکھنؤ کے گلی کوچون مین دیکھا جاتا ہے کہ ادنے درجے کے لڑکے اور بازاری لوگ اکثر چلتے چلتے گانے لگتے۔ اور گانے مین ایسی گلے بازی کرتے اور مشکل سے مشکل دھنون کو اس آسانی سے اڑا لیتے ہین کہ باہر کے لوگون کو حیرت ہو جاتی ہے اس کا اصلی باعث یہ نوحہ خوانی و سوز خوانی کا مذاق ہے۔ اور تعریف کی یہ بات ہے کہ سوز خوانی کا نشوونما با وجود عوام الناس اور ادنے درجے کے جہلا مین پھیلنے کے صحیح اصول پر رہا اور موسیقی کے صحیح مذاق سے باہر نہین ہونے پایا۔ بخلاف اور چیزون کے جو عوام تک پہونچتے ہی بے قاعدہ اور خراب ہو جایا کرتی ہین۔

سوز خوانی کو گو کہ عوام شیعہ موجب ثواب تصور کرتے ہین۔ مگر علماے شیعہ نے اس وقت تک اس کے جواز کا فتوی نہین دیا ہے۔ وہ پابندی شرع مین متشدد ہین۔ اسی سبب مجتہدین اور ثقہ لوگون کی مجلسون مین صرف حدیث خوانی یا تحت اللفظ خوانی ہوتی ہے۔ اور عوام کی جن مجالس مین علماے شریعت شریک ہوتے ہین ان مین بھی اُن کے سامنے سوز خوانی نہین ہوتی۔ لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ سوز خوانی نے اپنی عام مقبولیت کی وجہ سے علما کے فتوون پر پوری فتح پائی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اہل سنت کے علماے حدیث اور مشائخ صوفیہ کے نزدیک تو غنا کے جواز کی بہت گنجایش ہے۔ مگر شاید فقہ اثنا عشری مین اتنی گنجایش نہین ورنہ اس فن نے اب تک سند جواز حاصل کر لی ہوتی۔

زبان اُردو کی شامت

چند سال ہوئے ایک دن صبح کو ہم نے اپنے شہر کے قابل اور بیدار مغز میونسپل کمشنر پنڈت اقبال نراین مسلدان بیرسٹر ایٹ لا کو اپنے مکان کی طرف سے گزرتے دیکھا۔ اور صاحب سلامت کے بعد تعجب سے پوچھا کہ آج اِدھر کہان بھول پڑے؟" فرمایا "آپ کے پڑوس والے میونسپل اسکول سے گے

معاینہ کو آیا تھا، پوچھا "تو کیسا پایا؟" انھون نے جواب مین فرمایا کہ "یہ وہیاتی مدرس تو بجاے اُردو کی تعلیم دینے کے لڑکون کی زبان خراب کرتے ہین"
مین نے کہا "آپ کے سررشتہ تعلیم نے انتخاب مدرسین کا جو طریقہ رکھا ہے اُس سے اہل زبان درکنار کسی زبان دان مدرس کے ملنے کی بھی امید نہین ہو سکتی"

خیر وہ گفتگو انھین دو باتون مین ختم ہو گئی مگر مجھے خیال رہا کہ شاید پنڈت صاحب موصوف کی توجہ کوئی مفید نتیجہ پیدا کرے۔ اس کے بعد جب یہ سُنا کہ پنڈت مہاراج نرائن صاحب چکبست تمام میونسپل اسکولون کے انسپکٹر مقرر ہوئے ہین تو اُمید اور قوی ہو گئی۔ اور دل کو یقین ہو گیا کہ ان دونون بزرگون کی کوشش کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ ضرور ظاہر کرے گی۔

لیکن اپنی چھوٹی لڑکی کو پڑھانے کی ضرورت سے اتفاقاً ہم نے اپنے ملک کے مروّجہ اردو نصاب تعلیم کو دیکھا تو حواس جاتے رہے۔ اور اصلاح کی جو کچھ امیدین دل مین پیدا ہوئی تھین سب خاک مین مل گئین۔
اس سلسلہ کی پہلی کتاب جس کا نام "اردو کی پہلی ریڈر" ہے۔ اُس کے مصنف "منشی برج باسی لال صاحب بی۔ اے۔ اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس قسمت بنارس ہین۔ جن کو یا شاید خود سررشتہ تعلیم کو دعویٰ ہے کہ اس کتاب کو اُنھون نے "جدید طرز تعلیم کے مطابق" تصنیف نہین کیا بلکہ بنایا ہے"
مین نہ یہ جانتا ہون کہ گریجوئٹ کتاب بنانے والے صاحب کس ضلعے کے رہنے والے ہین اور نہ اس سے آگاہ ہون کہ اُنھون نے اُردو کی تعلیم کہان پائی ہے لیکن یہ ضرور کہون گا کہ جو گریجوئٹانہ لٹریچر اُنھون نے اپنی اِس بنائی ہوئی کتاب مین درج فرمایا ہے اُس سے سررشتہ تعلیم کی اردو شاید کسی کو آ جائے۔ مگر جس زبان اُردو کو ہم لوگ بولتے چالتے اور لکھتے پڑھتے ہین وہ اگر کسی بچہ کو آتی بھی ہو تو اُس کے چوپٹ کر دینے کے لیے یہ نصاب بہت اچھی طرح کافی ہے۔

گر ہمین مکتب است واین ملّا   کار طفلان تمام خواہد شد

ایک سرسری نظر مین اِس کتابچے جو زبان اُردو کی درست کرنے واسطے
جو خاص خاص محاورات نظر آئے حسب ذیل عرض کیے جاتے ہین۔

پہلے ہی صفحہ کا پہلا جملہ ہے "باباجی کے ہاتھ مین مالا ہے" اور اُس کے
بعد دوسرا فقرہ ہے "وہ گیت گایا کرتا ہے" ہماری اُردو مین جس کے
نام کے ساتھ "جی" یا اِس قسم کا اور کوئی تعظیمی لفظ استعمال کیا جاتا ہے
اُس کے لیے تعظیماً فعل جمع لایا جاتا ہے۔ یعنی اسی جملہ کو یون بولین گے کہ
"وہ گیت گایا کرتے ہین" مگر شاید یہ انگریزی اردو ہو جس مین تعظیم کے لیے
جمع کا فعل لانا صاحب بہادرون کے محاورے سے بالکل خلاف ہے۔

تیسرے صیغہ کی پہلی اور دوسری سطر مین ہے "سپاہی جلد جلد قدم
اُٹھاتا ہے۔ اور دوسرا دھیرے دھیرے" آخری لفظ ہندی گیتون مین البتہ سُنے گئے
مگر اُردو مین آج تک نہین سُنے تھے۔ دھیرے دراصل اردو زبان کا لفظ ہی
نہین ہے۔

پانچوین صفحہ کی پانچوین اور چھٹی سطر مین ہے "پیسے بُھنا لاؤ" ہمارے
یہان روپیہ بھنایا جاتا ہے۔ اور پیسہ اُسوقت بُھنایا جاتا ہے جب اس کی
کوڑیان منگوانی ہون۔ لیکن ایسی صورت مین فقط ایک پیسہ بُھنایا جاتا ہے
"پیسے بُھنانے" کا اتفاق نہین ہوتا۔

دسوین صفحہ پر ہندوستانی معاشرت کی ایک تصویر ہے جس مین حکیم
صاحب ایک اسٹول پر بیٹھے مریض کی نبض دیکھ رہے ہین۔ مریض نے بجائے
جُھکنے کے ایک گھٹنہ زمین پر ٹیک دیا ہے۔ اور دوسرا پاؤن آگے بڑھا کے
اُس پر ہاتھ رکھ لیا ہے۔ اس شائستگی سے نبض دکھانے والے آج تک
یہان کسی حکیم کے مطب مین نہین دیکھے گئے تھے۔ بڑی عنایت ہوتی اگر ہمارے گریجوٹ
مصنف بچون کو فقط اپنی زبان سکھاتے اپنی تہذیب و شائستگی کے بھی
سکھلا دینے کا ارادہ نہ فرماتے۔

بارہوین صفحہ کی چوتھی اور پانچوین سطر مین ہے "اس لحاف کی سنجاف

اچھی ہے"۔ "سنجاف" گوٹ کی ایک خاص وضع کا نام ہے۔ کوئی مستقل چیز نہین۔ ہم لوگ لحاف کی گوٹ کہین گے۔ لحاف کی سنجاف نہین کہہ سکتے مگر مصنف صاحب کی زبان کون پکڑ سکتا ہے، جو چاہین فرمائین۔

پندرہوین صفحہ کے پہلی سطر مین ہے "مجھے تیرنا نہین آتا" یہ محاورہ اگرچہ بعض عوام بول جاتے ہین مگر زبان دان بخوبی جانتے ہین کہ اردو مین کسی ہلکی بیجان چیز کے آپ ہی آپ پانی کے اوپر قائم رہنے کو تیرنا کہتے ہین اور جو ذی روح ہاتھ پاؤن کی کوشش سے اپنے آپ کو پانی کے اوپر قائم کرے اُس کے اس فعل کو تیرنا نہین "پیرنا" کہتے ہین۔

اُنیسوین صفحہ مین چھٹی سطر پر ہے "اُنچاس مین سے بائیس گھٹاؤ" اہل زبان اُنجاس کہتے ہین۔ لیکن ہمارے معلم زبان مصنف صاحب کی زبان انچاس ہے۔ مگر کاش یہ زبان اُن کے گھر ہی مین رہتی۔

بائیسوین صفحہ کی چوتھی سطر مین ہے "جو اُستاد پڑھاوین اُس پر دھیان دو" ہماری اردو مین اس موقع پر کہین گے "اُس مین دھیان لگاؤ" مگر افسوس کہ مصنف صاحب کی زبان مین "اُس پر دھیان دو" کہتے ہین۔ اور ہمارے بچے مجبور ہین کہ اُن کی یہ بولی سیکھین بھی۔

تیئسوین صفحہ مین ایک لڑکا اپنے باغ مین گیا ہے جسکی (سطر سات و آٹھ مین ہے) "وہان اُس کا دادا زمین کھود کر آم کے چھوٹے چھوٹے پودے لگارہا تھا" یہ کسی مالی کا لڑکا ہو تو اور بات ہے۔ لیکن کسی شریف لڑکے کا ذکر ہوتا ہے تو اُس کے دادا کی اس طرح توہین نہین کرتے۔ بلکہ کہتے ہین کہ اُس کے دادا ایسا کام کررہے تھے۔

چوبیسوین صفحہ کی پانچوین اور چھٹی سطر مین ہے "لوگ ایسے آدمیون کا نام مرنے کے پیچھے عزت سے یاد کرتے ہین" اس مین اول تو "مرنے کے پیچھے" کی جگہ "مرنے کے بعد" کہنا چاہیے۔ مرنے کے پیچھے صحیح اردو نہین۔ دوسرے یہ نہین پتہ چلتا کہ اُن کے مرنے کے بعد یا اپنے مرنے کے بعد۔ بہرحال اردو مین اس جملہ کو یون ہونا چاہیے کہ "اُن کے مرنے کے بعد عزت سے یاد کرتے ہین"

پچیسوین صفحہ کی چوتھی سطر مین ہے "جب اُس کی (چنے کی) پتیان بہت نرم رہتی ہین تو لوگ نوچ نوچ کے کھاتے ہین" اہلِ زبان اردو اس مقام پر "نرم رہتی ہین" ہرگز نہ کہین گے بلکہ "نرم ہوتی" کہین گے۔

اِنھین چند محاورات پر موقوف نہین اِس کتاب کو اول سے آخر تک غور سے پڑھا جائے تو ہر صفحہ پر ایسی ہی فاش غلطیان ملین گی۔ پڑھانے والے یا تو دیہاتی مدرس ہین یا بہت ہی معمولی استعداد کے اردو دان جو سمجھ جاتے ہین کہ یہی فصیح و صحیح زبان ہے۔

کیا یہ عبرت کی بات نہین کہ لکھنؤ کے مدرسون مین یہ اردو پڑھائی جاتی ہو جہان زبان اردو نے نشو و نما پایا ہے۔ جہان کے شرفا و فصحا کی زبان سند اور معیار فصاحت مانی جاتی ہے۔ جہان ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی تحقیق و تنقید مین خدا جانے کیسی کیسی بحثین پیش آتی رہتی ہین۔ اور جہان کی خاک مین میر۔ سودا۔ انشا۔ مصحفی۔ جرأت۔ ناسخ۔ آتش۔ انیس۔ دبیر اور اسی طرح کے صدہا اساتذۂ سخن آرام کر رہے ہین۔ لکھنؤ کے پاس اب زبان اردو کے سوا کچھ نہین رہ گیا ہے۔ وضع قطع۔ آداب صحبت و معاشرت سب چیزین تو چھن گئین۔ لے دے کے ایک زبان رہ گئی ہے اور افسوس کہ اب وہ بھی سررشتۂ تعلیم کے خنجر جہالت سے ذبح ہو رہی ہے۔

ہمین اُن بزرگون کے معزز نامون کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے جنھون نے اس کورس کو پسند اور منظور فرمایا ہے۔ یہ کام بورڈ کے سپرد ہے۔ اور بورڈ مین جو بزرگوار ممبر منتخب ہوا کرتے ہین اُن مین ہماری بدقسمتی سے سارے کمالات جمع ہوتے ہین ایک صرف معرّے ہوتے ہین تو زبان دانی سے۔ اُن کے لیے گریجویٹ ہونا شرط ہے۔ انگریزی دانی لازمی ہے۔ اور اور بھی خدا جانے کن کن صفات کا موجود ہونا ضروری تصور کیا جاتا ہے۔ مگر اس کو کوئی نہین پوچھتا کہ وہ اردو بھی جانتے ہین یا نہین۔

سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ سررشتۂ تعلیم کے عہدہ دارون نے مدارس کو اپنی تجارت کی منڈی بنا لیا ہے۔ وہ لوگ ادھر اُدھر سے جوڑ توڑ کے

چند عبارتین جمع کر کے ایک کتاب بناتے ہین اور منظور کرنے والے عہدہ دارون پر اثر ڈال کے اور سفارشین پہونچا کے منظور کرا لیتے ہین۔ آج تک کبھی اِس کی کوشش نہین کی گئی کہ اردو کا نصاب بنانے مین دہلی و لکھنؤ کے اُن لوگون سے بھی کچھ مدد لی جائے جو اردو کے مسلم الثبوت اُستاد ہین۔

سُنا جاتا ہے کہ اب یونیورسٹی آپ اپنا کورس تیار کرائے گی۔ اور کسی کو اُس سے تاجرانہ نفع اُٹھانے کا موقع نہ دیا جائے گا۔ مگر اِس سے یہ امید رکھنا فضول ہے کہ اساتذۂ زبان سے کوئی مدد لی جائے گی۔ اِس لیے کہ یونیورسٹی کی دنیا کے لال بجھکڑ وہی بزرگوار ہین جو سررشتہ تعلیم مین بلحاظ عہدہ کوئی اثر و اقتدار رکھتے ہین۔ کورس بنانے کو جب کہا جائے گا اُنھین سے کہا جائے گا۔ اور یہ پہلے تو منفعت کے شوق مین تھوڑی بہت کوشش بھی کرتے اور اِدھر اُدھر سے پوچھ کے کچھ کر بھی لیتے تھے۔ اب بے پروائی کے باعث پہلے سے بھی بدتر نصاب مرتب کرین گے۔ اور اردو کی اور رہی سہی مٹی خراب ہو گی۔

بہر حال سررشتۂ تعلیم کے نصاب مین اصلاح کی کوئی امید نہین۔ اور اس کا سوا اس کے کوئی علاج نہین نظر آتا کہ ہم اور تمام وہ لوگ جو اپنے بچون کی زبان بگڑنے کو نہ برداشت کر سکتے ہون اُنھین مدارس سرکاری سے اُٹھا لین۔ اور اُن کی تعلیم کا کوئی اور انتظام کرین۔

چند کتابون پر ریویو

لمعات بدریہ ۔ یہ مولنا شاہ محمد بدر الدین صاحب قادری زینبی جعفری صاحب پھلواروی کے ملفوظات و ہدایات کا ایک مجموعہ ہے جسے حکیم سید محمد شعیب صاحب پھلواروی نے مرتب فرمایا اور مولوی سید محمد مظہر الحق صاحب نے ۲۶×۲۰ پیمانے کے ۸۴ صفحون پر طبع کرا دیا۔ قیمت ۸ ہے۔ اور منیجر صاحب دفتر معارف پھلواری ضلع پٹنہ سے مل سکتا ہے۔

الوسیلہ - یہ بھی مولانا شاہ محمد بدرالدین صاحب قادری ممدوح کا ایک فارسی رسالہ ہے جس مین شجرۂ ارادت کی ضرورت بتائی گئی ہے حکیم محمد شعیب صاحب نے اسے مع ترجمۂ اردو چھاپا ہے - ۱۸ + ۲۲ کے پیمانے کے ۲۴ صفحون پر ختم ہوا ہے قیمت ہمین نہین معلوم - مذکورہ بالا پتہ پر خط لکھ کے منگوا لیجیے -

ظہور رحمۃ للعالمین - یہ ۱۰ × ۲۲ پیمانے کے ۷۶ صفحون پر شمس العلما مولوی محمد عبدالحی صاحب قادری سابق پروفیسر پٹنہ کالج کا ایک مضمون حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر ہے قیمت ۴ر اُنہی سابقہ پتہ پر حکیم صاحب معارف سے منگوا لیا جائے -

ابطال اعجاز مرزا - یہ ۲۰ × ۲۶ پیمانے کے ۴۰ صفحون کا ایک رسالہ مصنفہ مولنا شاہ حکیم عنایت حسین صاحب ... ساکن مونگیر ہے جسے منشی محمد شہاب الدین صاحب نے چھپوایا ہے قیمت عہ ہے منشی صاحب موصوف کو محلہ فتحپور - ڈاکخانہ مبونز ضلع بھاگلپور" کے پتہ پر خط بھیج کے منگوا لیا جائے -

مکالمات افلاطون - یہ دنیا کے مشہور یونانی حکیم الٰہی اور فلسفۂ اطلیہ اشراقیہ کے امام اوّلین حکیم افلاطون کی تین روحانی لکچر ہین جنھین پنجاب بک سوسائٹی نے ترجمہ کرا کے شائع کیا ہے - چھوٹے پیمانے کے ۲۴۴ صفحون پر ختم ہوا ہے - اور قیمت کچھ نہین صرف ۱۰ر علمائے روحانیین اور فلسفۂ تصوف کے شائقین کو اسے ضرور ملاحظہ کرنا چاہیے - مہذب بک ایجنسی کے منیجر صاحب سے "لکھنؤ - کرہ بزن بیگ خان کے پتہ پر خط بھیجنے سے بھی مل سکتا ہے اس رسالہ کو ہر مذہبی آدمی کے زیر مطالعہ رہنا چاہیے -

التنقیح فی ولادت المسیح - یہ مولوی امام الدین صاحب گجراتی کا ایک نہایت محققانہ رسالہ "مسئلہ ولادت مسیح" پر ہے - جسے مولانا احمد بابا مخدومی لاہوری نے اہتمام سے چھپوایا ہے اس مین اس مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر ڈالی گئی ہے - اور قرآن و حدیث و تاریخ کو پیش نظر رکھا گیا ہے - صاحبان ذوق کو اسے ضرور ملاحظہ فرمانا چاہیے - ۱۸ × ۲۲ پیمانے کے ۱۳۵ صفحون پر ختم ہوا ہے اور قیمت ایک روپیہ جناب احمد بابا مخدومی صاحب کو لاہور - انجمن حمایت اسلام کے

گیتان جلی۔ یہ بنگالے کے نامور شاعر رابندرا ناتھ ٹیگور کے مجموعۂ نظم "گیتان جلی" کا اردو ترجمہ ہے۔ مولانا ابوالمعانی نیاز فتحپوری نے قابلیت سے ترجمہ کیا اور ملا محمد واحدی دہلوی نے اپنے درویش پریس مین چھاپا۔ چھوٹے سے خوبصورت پیمانے اور عمدہ کاغذ پر بڑی خوبی سے چھپا ہے۔ جس مین راہبانہ لباس مین حضرت نیاز کا فوٹو اور اصلی مصنف کی قلمی تصویر بھی ہے۔ اور انگریزی کتابون کی وضع پر نہایت خوشنما جلد بھی بندھوا دی گئی ہے۔ اس مین مترجم کے فاضلانہ دیباچہ کے بعد مختلف عنوانون کی دلکش نظمون کا ترجمہ شریک ہے۔ اور اصلی شاعر کے خیالات اردو پبلک کے سامنے پیش کر دیے گئے ہین۔ شعرا اور دلدادگان ادب اردو کو ضرور ملاحظہ کرنا چاہیے۔ ۱۱۲ صفحون کے کوزے مین یہ دریائے تخیل لایا گیا۔ قیمت نہین معلوم۔ مولانا واحدی صاحب سے دہلی مین خط بھیج کے منگوایا جائے۔

جذبات بھاشا۔ یہ بھی حضرت نیاز فتحپوری کا ایک بیش بہا رسالہ ہے جو چھوٹے خوبصورت پیمانے کے ۸۸ صفحون پر ہے۔ اس مین مصنف صاحب نے بھاشا شاعری کی خوبیان اردو پبلک کے سامنے بڑی خوبی سے پیش کی ہین۔ بہت سے منتخب بھاشا اشعار کو نقل کرکے اُن کا ترجمہ بتایا گیا ہے۔ قیمت ۱۲/ اور ناظم صاحب "دائرۃ الادب" دہلی سے طلب کیا جائے۔

مورّخ

یکم جولائی کو مورخ کا پہلا نمبر نکل جائیگا اگر تاریخ کا شوق ہو اور تاریخی تصانیف کی اشاعت پسند ہو تو ضرور خریداری کیجیے سالانہ چندہ پانچ روپیہ چھ آنہ عہ/ ہے۔ اور نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۸/ ہے سالانہ چندے کا وی۔ پی عہ/ کا۔ اور نمونہ کا وی۔ پی ۱۰/ کا ہوگا۔

خاکسار۔ ایڈیٹر مورّخ۔

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

اڈیٹر

مولٰنا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

سب ایڈیٹر

مولوی محمد صدیق حسن صاحب

منیجر و پبلشر

[illegible] حکیم سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس میں چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹرہ ابن بیگ خاں سے شائع ہوا

حسن کی کرشمہ سازیان

(عفراء بنت مہاصر)

یون تو عشق انسان کے آب و گل مین ہے! اور کوئی سرزمین نہین جہان حسن و عشق نے طرح طرح کے کرشمے نہ دکھائے ہون مگر جتنے نامی گرامی عشاق اور انھین کے مذاق کی پاکباز و نیک سیرت معشوقائین سرزمین عرب نے پیدا کی ہین تمام دنیا کوئی اور ملک نہ پیدا کر سکا ہوگا۔ اور عرب مین بھی بنی عذرہ کا زندہ دل قبیلہ جس کے مردون کا عشق اور عورتون کا حسن و جمال صدیون تک دنیاے اسلام کا ادبی مشغلہ رہا ہے۔ اور آج تک ضرب المثل ہے۔ اسی مقدس سرزمین اور اسی صاحب دل قبیلہ کی ایک عدیم المثال معشوقہ "عفراء" تھی جس کے عشق کی حسرت آلود داستان ہم آج اپنے ناظرین کو سنانا چاہتے ہین۔ یہ عفراء بنی عذرہ کی ایک پری وش نازنین تھی جو حسن و جمال اور ادب و کمال۔ اور نیز فصاحت و بلاغت مین انتخاب۔ اور شعر گوئی و نازک خیالی کے ساتھ عصمت و پاکدامنی مین اعجوبہ روزگار تھی۔ اس ماہوش نازنین کے باپ تین بھائی تھے۔ پہلا تو خود اُس کا والد جن کا نام مہاصر تھا دوسرا حزام اور تیسرا سعید۔ عفراء دو ہی تین سال کی بچی تھی کہ اُس کے چچا حزام نے سفر آخرت کیا۔ اور چار پانچ برس کے ایک یتیم بچے عروہ کو چھوڑ گیا جسے بھائی کے مرنے پر عفراء کے والد مہاصر نے اپنے آغوش شفقت مین لے لیا۔ اور اپنے گھر مین رکھ کے پالا پرورش کیا۔ اسی زمانے مین اُس کے دوسرے چچا سعید غالباً اپنے سسرالی تعلقات کی وجہ سے شمالی

عفرا بے زبان لڑکی۔ اگرچہ دل و جان سے عُروہ پر شیدا تھی مگر باپ کے حکم میں کیا چون و چرا کر سکتی تھی؟ راضی برضا ہو کے اپنے آپ کو قسمت کے سپرد کر دیا۔ اور جب باپ نے اُثالہ کے ساتھ عقد کیا تو بے عذر ہُو نکار ی بھر دی۔ اُثالہ نے فوراً تہراد اکیا۔ عفرا کو اُس کے گھر اور قبیلہ سے رخصت کرا کے اپنی اعلیٰ درجہ کی سبلاے سُرخ سانڈنی پر محمل میں بٹھایا۔ اور اپنے گھر لے چلا۔ اِدھر سے یہ برات اور محمل عفرا جا رہی تھی اور اُدھر سے عُروہ کا قافلہ آ رہا تھا۔ چچا زاد بھائی اور سامان عروسی کو دیکھ کے دل دھک سے ہو گیا۔ بدحواسی سے محمل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کسی دوست نے جو ناقۂ عفرا کے ساتھ تھا پاس آکے کہا، دیکھتے کیا ہو؟ اُثالہ کے ساتھ عفرا کی شادی ہو گئی اور وہ اُسے رخصت کرا کے اپنے گھر لیے جاتا ہے۔" یہ آواز نہ تھی ایک بم کا گولہ تھا جو محبت بھرے سینے پر آ کے گرا اور شیشۂ دل جس میں محبت کا گلاب بھرا ہوا تھا چکنا چور ہو گیا۔ گھبرا کے اونٹ سے کودا۔ محمل عفرا کی طرف دوڑا اور قریب پہونچتے ہی بے اختیار زبان سے نکلا، "این! عفرا، تم جاتی ہو؟" عفرا نے محمل سے جھانک کے دیکھا۔ دونوں حسرت ناک آنکھیں دوچار ہوئیں۔ مایوس نگاہیں دوڑ کے بیتابی سے ملیں۔ ملتے ہی الگ ہوئیں۔ اور ایک دوسرے کو عجیب یاس و ناامیدی سے دیکھ کے رہ گئیں۔ زبانیں خاموش تھیں۔ مگر نگاہیں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ اِدھر سے سوال تھا "یہ بے مروتی!" اُدھر سے جواب تھا "کیا کریں بے بس ہیں!" اتنے میں محمل آگے بڑھ گئی۔ اور مایوس و دل شکستہ عروہ میں اتنی بھی قوت نہ تھی کہ ناقۂ جانان کا دو قدم ساتھ دے۔

اب عروہ مایوس و نامراد۔ بیتاب و بیقرار گھر میں آیا۔ خاموش تھا اور مغموم۔ بے آس تھا اور ملول۔ غذا ترک ہو گئی۔ نیند اُڑ گئی۔ اور دوسرے ہی دن شدت سے بخار چڑھ آیا۔ چند روز میں پوست و استخوان رہ گیا۔ ماں تیمارداری کرتی اور قسمیں دلا دلا کے کہتی کہ "کچھ تو کھا لو" مگر یہاں مفتی عشق نے غذا حرام کر دی تھی۔ کھاتا تو کیونکر؟ آخر یہ حالت ہوئی

کو جینے کے لالے پڑ گئے۔ اور سب کو یقین ہو گیا کہ چند ہی روز کا مہمان ہے۔ یہ حالت
دیکھ کے چچا عفراء اور اہل قبیلہ سوچنے لگے کہ کہاں لے جائیں؟ اور کس کا علاج کرائیں
مگر اس بیقراری کے ساتھ عروہ میں ضبط بھی ایسی بلا کا تھا کہ دنیا میں
بہت ہی کم دیکھا گیا ہے۔ آج تک کسی کو اپنے درد دل کی خبر نہ کی تھی۔ کوئی جانتا
ہی نہ تھا کہ یہ مرض کیسا ہے۔ اور یہ اُلجھن اور بیقراری کس بات کی ہے۔ اور کسی کو
یہ وہم و گمان بھی نہ گیا تھا کہ عفراء کے فراق کا آزار ہے یا یہ عشق کا مرض ہے
چچا نے دوا درمان میں بہت کوشش کی۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی
افاقہ کی کوئی صورت نہ نظر آتی تھی اور زندگی سے یاس ہوتی جاتی تھی آخر
سب کی رائے قرار پائی کہ یہ مرض نہیں۔ یا تو سایہ ہے۔ اور یا کسی نے جادو کر دیا ہے
ان چیزوں کے علاج میں اُن دنوں بنی لشکر کے ایک علامہ ابو کحلا رباح بن
راشد کی بڑی شہرت تھی جو ارض یمامہ میں رہتا تھا۔ اہل قبیلہ نے کہا اب
سوا اُسکے پاس لے جانے کے کوئی چارہ نہیں ہے۔"

اس تجویز کے مطابق لوگ اُسے یمامہ میں لے گئے۔ ابو کحلا نے
دیکھ کے بہت کچھ غور کیا۔ تشخیص مرض میں گول گول سی رائے ظاہر کی۔ اور
جھاڑنے پھونکنے کے ساتھ مختلف تدبیریں کرنے لگا۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تب
اُس نے جادو اور بھوت پریت اُتارنے کا سب سے آخری اور زبردست عمل کیا
جو اہل عرب میں "صب" کے نام سے مشہور تھا۔ اور جس کا اُن دنوں بہت رواج تھا۔
اس تدبیر کا عمل درآمد یوں ہوا کہ عروہ کے سر پہ ایک تھالی رکھی گئی۔ اُس میں پانی
بھرا گیا۔ اور تھوڑا سیسہ آگ میں پگھلا کے اُس میں بجھا دیا گیا۔ پھر اُس کے بعد وہ پانی
وہ سیسے کا چھلا کہیں دور لیجا کے دفن کر دیا گیا۔ یہ تدبیر ایک نہیں کئی بار کی گئی۔
مگر عروہ پر مطلق اثر نہ ہوا۔ جو حالت تھی اُس سے بدتر ہو گئی۔ آخر ابو کحلا نے عاجز
آکے کہا "میں نے پہلے بھی یہی خیال کیا تھا اور اب تو تجربہ سے قطعی یقین ہو گیا کہ
اس لڑکے کو نہ سایہ ہے۔ نہ اس پہ کوئی جن یا بھوت ہے۔ نہ کسی نے جادو کیا ہے
اور نہ یہ کسی جسمانی مرض میں مبتلا ہے۔ میرے نزدیک تو یہ کسی پہ عاشق ہے۔ عشق کے
سوا اور کسی مرض میں یہ بے حسی نہیں ہوتی کہ لاکھ تدبیریں کرو کارگر نہیں ہوتیں"

یہان سے بھی جواب مل گیا تو لوگ مایوس ہو کے گھر واپس لے آئے۔ اب مرض کی شدت پہلے سے بدرجہا زیادہ تھی۔ بڑا جھکتا۔ دیوانون کی طرح اُٹھ اُٹھ کے بھاگتا۔ مجنونون کی سی حرکتین کرتا لیکن ضبط کی تعریف کرنا چاہیے کہ مجال کیا جو کبھی بھولے سے بھی کسی کے سامنے زبان پر عفراء کا نام آ گیا ہو۔ آخر ایک دن ایک عجیب طریقے سے افشا ہو گیا۔ وہ دوا پیتا تھا۔ عروہ [illegible] خیمون سے نکل کے ذرا فاصلے پر گیا وہان قبیلے کے کسی شخص نے اپنے بیٹے سے پوچھا "تم نے اونٹنی کو پانی لا دیا؟" اس نے کہا "عفراء (بڑی جس اونٹنی کو نام دینے کا ... ہوتا ہے اُسے عفراء کہتے ہین) عفراء کا نام سنتے ہی عروہ نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کے گر پڑا۔ اس بیہوشی نے جو راز چھپا رکھا تھا وہ ایک دوستون کو جو دیکھ رہے تھے پتہ لگ گیا۔ اور قبیلے بھر مین شہرت ہو گئی کہ عروہ اپنے چچا کی بیٹی عفراء پر عاشق ہے۔ پھر اس کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوئی کہ جو جو مرض بڑھتا اور جنون کا جوش ہوتا اُس کی طباعی و خیال آفرینی بڑھتی جاتی۔ خوب خوب فراقیہ نظمین تصنیف کرتا۔ اور اُنھین بڑے ہی جوش سے گا گا کے اور جھوم جھوم کے احباب کو سُناتا۔ جن مین ایک نامعلوم محبوبہ پر عشق کا اظہار ہوتا۔

آخر جب زندگی سے بہت عاجز ہوا۔ اور اپنی ماں کے ساتھ تمام ہمدردون اور تیمارداروں کو بہت ہی پریشان دیکھا۔ تو ایک دن کہنے لگا "یہ جتنی تدبیرین آپ کرتے ہین سب بے سُود ہین ان سے کچھ نہ ہوگا۔ مجھے اگر نفع ہوگا تو صرف آب و ہوا سے۔ میری تندرستی چاہتے ہو تو مجھے شہر بلقاء مین لے چلو۔ وہان کی آب و ہوا انشاء اللہ مجھے موافق آئے گی۔" سب نے کہا "اچھا یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" اور دو چار آدمی اُسے لے کے اُدھر روانہ ہوئے۔ بلقاء کی طرف جتنا بڑھتا مرض کو سکون ہوتا جاتا۔ یہان تک کہ جب بلقاء کی آبادی مین داخل ہوا تو صرف ضعف باقی تھا اور کوئی شکایت نہ تھی۔ وہان ایک مکان مین جو اُثالہ کے مکان سے قریب اور سر راہ تھا۔ اُسے کرایہ پر لے کے ٹھہر گیا۔ دن بھر دروازے مین چھپا اور تاک لگائے بیٹھا رہتا۔ اور جب عفراء کام کاج کے لیے گھر سے نکلتی تو اُس کی صورت دیکھ کے دل کو تسلی دے لیتا۔ اُثالہ یا عفراء کو اس کے

یہاں آنے کی مطلق خبر نہ تھی۔ اور عروہ روز عفراء کے دیدار سے اپنے درد دل کا علاج کیا کرتا تھا۔ اب طاقت بھی آگئی خوب توانا و تندرست ہو گیا۔ اور سب ساتھ والے تعجب کر رہے تھے کہ کس قدر جلد ہی اچھا ہو گیا ہے؟

ایک دن اتفاقاً گھر سے باہر نکلا۔ راہ میں ایک بد طینت عذری شخص یعنی اپنے قبیلہ والے سے ملاقات ہو گئی جو اس کے حالات اور عشق عفراء سے واقف تھا۔ عروہ سے چند باتیں کر کے وہ سیدھا اثالہ کے پاس گیا۔ اور کہا "یہ کمبخت بدمعاش عروہ یہاں کب آیا ہے؟ میں تو آج اسے یہاں دیکھ کے حیران ہو گیا یہ ہمارے قبیلے کو بدنام کرتا ہے۔ آپ کی بی بی کا عاشق بنا ہے اور ان پر اپنے اشعار میں اظہار عشق کرتا ہے" اثالہ اپنی ذات سے نہایت ہی نیک نفس خلیق اور شریف مزاج نوجوان تھا یہ سن کے اس شخص کو تو یہ جواب دیا کہ "میں نے عروہ کے آنے کا حال آج تم ہی سے سنا ہے۔ جانتا بھی نہیں کہ کہاں ہے؟ اور کب یہاں آیا۔ اور یہ جو سخت و درشت الفاظ تم نے اس کی نسبت استعمال کیے ہیں سچ تو یہ ہے کہ اس سے زیادہ وہ تم ہی پر صادق آتے ہیں کیوں ایک شریف زادہ کو بدنام کرتے ہو؟"

وہ عذری شخص تو اس جواب پر نادم ہو کے چلا گیا اور اثالہ نے گھر میں یہ واقعہ اپنی بی بی عفراء سے بیان کیا اس کے بعد ہی وہ عروہ کی تلاش میں نکلا۔ بڑی جستجو سے پتہ لگایا۔ خود اس کے جا کے ملا اور بڑے اخلاق سے کہا "مجھے آپ سے شکایت ہے کہ یہاں آئے اور بجائے اس کے کہ میرے مہمان ہوتے دوسری جگہ ٹھہرے؟" عروہ سے کچھ اس کا جواب نہیں بن پڑا۔ اور اثالہ نے اصرار شروع کیا کہ "اسی وقت میرے یہاں اسباب اٹھا لے چلیے" اور عروہ نے ہزار عذر کیا ایک نہ سنی۔ آخر جب عروہ نے دیکھا کہ اثالہ اصرار ہی کیے جاتا ہے اور کسی طرح نہیں مانتا تو کہا "اچھا آپ چلیے میں تھوڑی دیر میں اٹھ آؤں گا" اثالہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور مضبوط وعدہ لے کے اپنے گھر واپس گیا۔

اس کے جانے کے بعد عروہ نے دل میں کہا "افسوس! عفراء کا

اتنا دیدار بھی قسمت مین نہین۔ اُثالہ کے گھر مین مین کس منہ سے جاؤن؟ اور اب عفراء سے ملنے کا مجھے کیا حق ہے؟ تقدیر نے مجھے اس قابل ہی نہین رکھا کہ اُس سے ملون یا اُس کے گھر مین جا کے ٹھہرون۔ مجبور ہو کے مین نے اُثالہ سے وعدہ تو کر لیا مگر مین وہان جانے کے لائق نہین۔ بس اب گھر جا کے اُن کو الوداع کہنا ہی ٹھیک ہے" دل مین یہ منصوبہ گانٹھتے ہی اسباب باندھا اونٹ کسا اور بے کسی کو خبر کیے گھر کی راہ لی۔

شہر بلقا کو چھوڑتے ہی بیمار ہو گیا۔ اور جو جو آگے بڑھتا تھا مرض کی شدت بڑھتی جاتی تھی۔ یہان تک کہ راستے ہی مین ایسی غیر حالت ہو گئی کہ سفر دشوار ہو گیا۔ وطن ابھی کئی منزل آگے تھا۔ مگر سفر کرنا غیر ممکن تھا۔ شام کے "وادی القری" مین مجبوراً ٹھہر گیا۔ اور دو ہی چار روز مین فراق کے مسموم خنجر کا گھائل ہو کے مر گیا۔ ساتھ والون نے اُس غریب الوطن کی حسرتناک موت پر دو آنسو بہا کے آغوش لحد کے سپرد کیا۔ اور گھر جا کے اُس کی اس یاس نصیبی کی داستان لوگون سے بیان کی۔ جہان سے یہ واقعہ تمام قبائل مین پھیلتے پھیلتے ارض بلقا مین پہونچا۔ اور عفراء کے گوش گزار ہوا۔

اُس شکستہ خاطر نازنین نے جیسے ہی یہ واقعہ سُنا دل چاک چاک ہو گیا۔ اگرچہ خوبصورت چہرے پر معصومانہ متانت اور برگ گل کے سے نازک لبون پر پاکدامنی کی مہر خاموشی ویسی ہی قائم تھی۔ مگر دل کی بیتابی ضبط و تحمل پر غالب آنے لگی۔ گھبرا کے شوہر سے کہا "عروہ جیسا میرا عزیز تھا ویسا ہی آپ کا بھی تھا لیکن بچپن مین مدتون میرا اُس کا ساتھ رہا اور ہم دونون مین بڑی محبت تھی جس سے آپ بخوبی واقف ہین۔ اور اندازہ کر سکتے ہین کہ مجھے اُس کے مرنے کا کتنا بڑا صدمہ ہوا ہو گا۔ آپ کا بڑا احسان ہو گا۔ مجھے اتنی اجازت دیجیے کہ وادی القری مین اُس کی قبر پر دو آنسو بہا کے فاتحہ پڑھ آؤن" شوہر نے کہا "شوق سے جاؤ۔ اور مین تمھین خوشی سے اجازت دیتا ہون"

اجازت پاتے ہی عفرا اپنی محمل مین سوار ہوئی۔ اور وادی القری کا راستہ لیا۔ وہان پہونچ کے عروہ کی قبر پر گئی۔ محمل سے نکل کے اور ناقے کی پیٹھ

سے اُتر کے روتی پیٹتی قبر پہ گری اور لوٹنے لگی۔ پھر اُٹھ کے بین اور مرثیہ کے وہ اشعار ورد کر کے پڑھے جو اُس کے غم میں کہے تھے۔ جب اُنھیں بار بار پڑھ کے تھکی تو پھر دیتاب روتی ہہ آہ فلک دوز کھینچتی اور بین کرتی رہی یہاں تک کہ پھر بیتابی کا جوش ہوا۔ دوبارہ قبر پر گری۔ اُس سے خوب لپٹ لپٹ کے روئی۔ اور روتے روتے تڑپ کے جان دیدی۔ جو لوگ ساتھ آئے تھے دیکھ کے حیران رہ گئے۔ اُنھیں بڑا ہی صدمہ ہوا۔ مگر کیا کرتے؟ قبر کھودی۔ عاشق جانباز کے پہلو میں اُسے بھی لٹا یا۔ اور اُوپر سے مٹی برابر کر کے گھر واپس گئے۔

اِس واقعہ کی تمام قبائل میں شہرت ہوئی۔ اور لوگ دور دور سے اُن قبروں کی زیارت کے لیے آنے لگے۔ چند مہینوں کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ دونوں قبروں سے دو نئی قسم کے درخت نکلے جن کی نسبت کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ کس چیز کے درخت ہیں۔ یہ بڑھتے بڑھتے وہ قد آدم بلندی کو پہونچے۔ اور اِس کے بعد اُن کی شاخیں دونوں طرف سے جھک کے ایک دوسرے سے مل گئیں۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ دو عاشق صادق ایک دوسرے سے بغلگیر ہیں۔ ان درختوں کی لوگوں میں بڑی ہی شہرت ہوئی۔ ہزاروں خلقت نے آ آ کے دیکھا۔ اور بہت سے شعرا نے اُن کی اِس عاشقانہ ہم آغوشی پہ طبع آزمائیاں کیں اور خوب خوب اشعار کہے جو آج تک ادب کی کتابوں میں موجود ہیں۔

ان دو سچے عاشقوں کی وفات سنہ ۲۴ھ میں ہوئی جبکہ حضرت عثمان ذی النورین کی خلافت کا آغاز تھا۔ اور اسی سال آپ نے قرآن مجید کی تدوین و ترتیب کا کام شروع فرمایا تھا۔ عفراء ۱۰ شوال کو دنیا سے رخصت ہوئی۔ اور عروہ چند روز پہلے سفر آخرت کر چکا تھا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے بعد یہی پہلے عاشق عرب ہیں۔ جنھوں نے اُس عہد کی تمام ترقیوں الوالعزمیوں اور دولت مندیوں کو اپنے عشق پر قربان کر دیا۔

نیکی کا بدلہ بدی

خلفائے بنی اُمیہ کے ہاتھ سے اپنے محسن اور اپنی سلطنت کے بانی کو جو خوفناک بدلہ ملا اُس کا حال ہم مئی کے دلگداز مین بیان کر چکے۔ اب یہ بتاتے ہین کہ بنی عباس نے اپنی خلافت کے بانی اور اپنے محسن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ خلافت عباسیہ کا اصلی بانی ابو مسلم خراسانی تھا جس نے سب کے پہلے خراسان مین عباسیون کا علم بلند کیا۔ اور اپنی حیرتناک کوششون سے ساری دنیا کا رخ ایک طرف سے پھیر کے دوسری طرف کر دیا۔ لہذا ہم آج اُسی کے حالات اور اُس کا لرزا دینے والا انجام اپنے ناظرین کو بتاتے ہین۔

ابو مسلم خراسانی

ابو مسلم کی اصلیت مین اختلاف ہے۔ بعض لوگ اُسے غلام بتاتے ہین اور بعض آزاد گھرانے کا لڑکا۔ جو لوگ آزاد کہتے ہن وہ اُس کا نام و نسب ابراہیم بن عثمان بن یشار بن سندوس بن جو ردزدہ بتاتے ہین۔ اُس کی پرانی کنیت ابو اسحق کہتے ہین۔ اور دعوی کرتے ہین کہ وہ نوشیروان عادل کے مشہور وزیر اور حکیم عجم بزرجمہر کی نسل سے تھا۔ سات برس کا تھا کہ باپ نے سفر آخرت کیا اور اُسے ابو موسئے عیسی بن موسی عجلی کی نگرانی مین چھوڑ گیا۔

اس کے بعد کا واقعہ یہ ہے کہ کوفہ مین سنہ ۱۲۴ھ مین اسی عجلی خاندان والون مین سے عاصم بن موسیٰ عجلی اور معقل عجلی کے دو بیٹے آدریس اور عیسی بنی اُمیہ کی مخالفت کے جرم مین اسیر تھے اور قید خانے مین یہی لڑکا ابو مسلم جو اُس وقت ابو اسحق ابراہیم کہلاتا تھا اُن کی خدمت کرتا تھا۔ اتفاقاً لاہز۔ قحطبہ۔ اور سلیمان بن کثیر خراسان سے مکۂ معظمہ جاتے ہوئے کوفہ مین ٹھہرے۔ اور قید خانے مین جاکے اِن پولیٹکل قیدیون سے ملے۔ ابو مسلم کی صورت

اور اُس کے حرکات و سکنات مین کچھ ایسی دلکشی تھی کہ جو دیکھتا اُس کا گرویدہ ہو جاتا۔ چنانچہ اُن نو وارد لوگون نے عاصم سے پوچھا "یہ لڑکا کون ہے" جواب ملا "ہماری خدمت کرتا ہے اور ہم کو بنی سراج والون سے ملا ہے" سلیمان نے کہا "اگر مضائقہ نہ ہو تو اِس کو ہمین دے ڈالیے" عاصم نے کہا "شوق سے لیجائیے" اِس طور پہ لوگ اُس لڑکے کو لے کے مکہ معظمہ مین آئے۔ اور چونکہ ابراہیم امام سے عقیدت رکھتے تھے اور اُنھین امام زمانہ تسلیم کرتے تھے اس لیے اُن کی خدمت مین حاضر ہو کے دو لاکھ بیس ہزار درہم بہت سا مشک خالص اور دیگر قسم کا سامان نذر کیا۔ اور ساتھ ہی اُس نو عمر لڑکے ابرہیم کو بھی پیش کر کے کہا "حضور اپنا غلام سمجھین" یون یہ پارسی نژاد لڑکا خاندان بنی عباس مین پہونچا۔ اور امام ابراہیم کی خدمت مین رہنے لگا۔ اُنھون نے اپنا ہمنام سمجھ کے اُس کا نام بجائے ابراہیم کے عبدالرحمن رکھ دیا۔ اور کنیت ابو اسحق کے عوض ابو مسلم قرار دی۔

اب اُن لوگون کا بیان بھی سُن لیجیے جو ابو مسلم کو غلام بتاتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ بکیر بن ماہان کسی والی مصر کا منشی تھا۔ وہ کوفے مین آیا اور شیعیان بنی عباس کی صحبت مین رہ کے اُن کا ہم خیال ہو گیا شیعیان بنی عباس چونکہ چاہتے تھے اور ساعی تھے کہ خلافت بنی امیہ کے ہاتھ سے نکل کے بنی عباس کو مل جائے اس لیے سلطنت کے باغی اور مجرم خیال کیے جاتے۔ بکیر کی نسبت جیسے ہی شہرت ہوئی کہ بنی عباس کا طرفدار ہے قید کر لیا گیا۔ اِن دنون قید خانون مین زیادہ تر ایسی قسم کے پولیٹکل مجرم تھے جو بنی امیہ کی حکومت کو ناپسند کرتے۔ اور اُنھین غیر مستحق خلافت بتاتے تھے۔ چنانچہ کوفے کے مجرمین ابو عاصم اور عیسی بن معقل عجلی تھے۔ اور اُن کی خدمت مین ابو مسلم تھا۔ بکیر نے چند روز کے اندر اِن دونون کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اِس کے بعد عیسی بن معقل سے ابو مسلم کی نسبت پوچھا "یہ لڑکا کون ہے؟" اُنھون نے کہا "ہمارا غلام ہے" کہا "بیچوگے؟" جواب ملا "آپ یونہین لے لیجیے" کہا "نہین۔ مین بغیر قیمت دیے نہ لون گا" جواب ملا "آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیے۔ لیجیے" غرض بکیر نے چار سو

درہم دے کے ابو مسلم کو لے لیا - اور اپنے پاس رکھا - اس کے بعد جب اِن لوگون کو قید سے چھٹکارا ملا - تو بکیر ابو مسلم کو لے کے امام ابراہیم کے پاس آیا ۔ اُنھون نے اُسکا ابو موسیٰ سراج کے سپرد کیا کہ اُسے تعلیم دین - اس طریقے سے اُس کی تعلیم و تربیت ہوئی - اور خراسان کے شیعیان بنی عباس کے پاس آنے جانے لگا -

کہتے ہین کہ پہلے پہل ۱۲۸ھ مین ابراہیم امام نے اُسے ۱۹ برس کی عمر مین اپنی طرف سے خراسان بھیجا اور لوگون کو لکھا کہ " یہ میرا نائب ہے اس کے تم سب اس کی اطاعت کرو - اور جب خراسان مین اُس نے ابراہیم کی طرف سے دعوت شروع کی تو ایک ہی سال کے اندر اُس کا زور بڑھ گیا دہ ہزار گاؤن مین پھرا - ادنے و اعلیٰ سب کو امام ابراہیم کے موافق بنایا - ان کی جانب سے بیعتین لین - چپکے ہی چپکے فوجین جمع کین - اپنے تمام طرفدارون کی یہ پہچان مقرر کی کہ اُن کے بازو پر ایک سیاہ دھجی بندھی ہو - اُن لوگون مین سیاہ عباسی علم کھڑا کیا - یہان تک کہ ۱۳۲ھ مین اپنی قوت کا پورا اندازہ کر کے علانیہ دعوت شروع کر دی - اور خلافت بنی امیہ کے مقابلہ پر کھڑا ہو گیا - اور جب خلافت کا پہلا لشکر اس فتنے کے استیصال کو آیا تو اُسے شکست دیدی - اور بنی امیہ کا قتل عام شروع کر دیا -

آخری خلیفۂ اموی مروان نے اس شکست کا حال سُنا تو ابراہیم امام کو جو اُس کے بس مین اور اُس کے مقبوضہ علاقے مین مقیم تھے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا - اُنھون نے اسیر ہوتے وقت اپنے دوستون سے کہا " میرا اس قید سے چھوٹنا غیر ممکن ہے - دشمنون کے ہاتھ سے یقیناً مارا جاؤن گا - اس لیے مین نہ ہون تو طرفداران بنی عباس میرے بھائی ابوالعباس عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کرین جن کو مین اپنا جانشین قرار دیتا ہون " ابراہیم کے گرفتار ہوتے ہی ابوالعباس مکہ سے بھاگ کے کوفہ مین چلے آئے - اور بنی اُمیہ کے ہاتھ سے بچ گئے - آخر اسی سال ۱۳۲ھ مین سریر خلافت پر قدم رکھ کے دنیاے اسلام کے فرمان روا ہو گئے - اور خلافت عباسیہ کا آغاز ہوا - ابوالعباس نے کل چار سال حکومت کی - مگر یہ چار سال صرف لوٹ مار اور قتل و غارت مین گزرے - بنی امیہ چن چن کے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے قتل کیے

جاتے تھے۔ اُن کے قصر و ایوان لُٹتے تھے۔ اُن کی عورتین بے آبرو ہوتی تھین۔ اور اُن کے گذرے ہوے ناموروں اور خلیفون کی قبرین کھود کھود کے گڑی ہڈیان الکھیڑی اور بے عزت کی جاتی تھین۔ غرض ایسے ایسے مظالم ہوتے رہے کہ ابو العباس کا لقب سفاح (سخت خونریز) مشہور ہو گیا۔ مگر ابو مسلم کا یہ زمانہ انتہائی عروج کا تھا۔ اور خاندان بنی عباس مین سے کسی کو وہ اپنا ہم رتبہ نہ پاتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنا نسب بھی عباسیون سے ملا لیا۔ اور سلیط بن عبد اللہ بن عباس کی نسل مین ہونے کا دعوی کیا۔

سنہ ۱۳۶ھ مین ابو العباس عبد اللہ سفاح نے سفر آخرت کیا تو اُن کے بھائی ابو جعفر عبد اللہ منصور خلیفہ ہوئے جو دوسرے عباسی خلیفہ ہین۔ ابو مسلم کا رنگ سفاح کے آخر عہد ہی مین بگڑ چلا تھا۔ یہ لازمی بات ہے کہ خلافت اُسی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی اور اُسی کی دِلائی ہوئی تھی اس لیے اُسے اس پر جس قدر فخر و ناز ہو بجا تھا۔ اور تاجداران بنی عباس کا بھی فرض تھا کہ چاہے وہ کیسی ہی باتین کرتا اور اپنی حد سے جس قدر چاہتا بڑھتا اُس کے دم واپسین تک تو اُس کے ساتھ حُسنِ سلوک کو نباہ دیتے۔ مگر سچ یہ ہے کہ نباہنا مشکل ہے۔

سفاح کی زندگی کے آخری سال مین ابو مسلم نے اُسے لکھا تھا کہ "میرا ارادہ حج کا ہے۔ آپ اجازت دین تو اس سفر کا ارادہ کرون" سفاح نے اجازت دی تو ابو مسلم کی دوسری درخواست اِس امر کی آئی کہ "آپ مجھی کو امیر حج مقرر فرما دین" یہ بات سفاح کو پسند نہ تھی۔ اُس کے نزدیک ایک عجمی الاصل غلام کا امیر الحج قرار پانا جس مین اکابر قریش اور معززین بنی عباس شریک ہوتے تھے ہر گز مناسب نہ تھا۔ مگر ابو مسلم تھا ایسا شخص کہ صاف انکار کرنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ ٹالنے کے لیے سفاح نے اپنے ولی عہد بھائی ابو جعفر کو جو الجزیرہ ارمن اور آذر بائجان کا والی تھا لکھا "ابو مسلم نے حج کی اجازت مانگی تو مین نے دیدی۔ اب وہ امیر الحج مقرر ہونے کا آرزو مند ہے۔ اور یہ مناسب نہین۔ اس کے ٹالنے کی بہتر تدبیر یہ ہے کہ تم بھی مجھ سے سفر حج کی اجازت مانگو۔ اور جب تم بھی حاجیون مین موجود ہو گے تو اُسے اپنی فوقیت ظاہر کرنے کا حوصلہ نہ ہو گا۔"

خلیفہ بھائی کے اس اشارے کے مطابق ابو جعفر نے حج کی اجازت حاصل کی اور کوچ کر کے انبار پہونچا۔ ابو مسلم نے جو اُس کے سفر حج کا حال سُنا تو اپنی صحبت مین کہا "منصور کو حج کے لیے یہی سال تھا!" اور بعض ایسے کلمات زبان پہ لایا جن سے بغض و حسد کی بو آتی تھی۔ اِس کے بعد وہ عازم حج ہوا۔ اور اس شان سے سفر کیا کہ راستہ مین غریبون کو کھلاتا پلاتا اور انھین کپڑے پہناتا جاتا تھا۔ جو سڑکین خراب ہوتین اُنھین درست کراتا جہان پانی نہ ہوتا وہان کنوے مین کھدواتا۔ غرض سفر بھر مین اُس نے ایسی ایسی فیاضیان دکھائین اور ایسے ایسے ناموری کے کام کیے کہ عربون مین اُس کی دھوم ہوگئی اور جن لوگون نے اُس کے مظالم اور کبر و نخوت کے واقعات سنے تھے متحیر ہو ہو کے کہنے لگے "ہم اُسے بہت ہی بُرا آدمی سنتے تھے مگر یہ تو بڑا فیاض اور بہت ہی اچھا آدمی نکلا۔ لوگون نے غلط بدنام کر رکھا ہے"۔ واپسی مین ابو مسلم منصور سے پہلے ہی چل کھڑا ہوا اور آگے نکل آیا۔

یہ دونون معزز حاجی راستے ہی مین تھے کہ سفاح کے مرنے کی خبر آئی اِس کے افسوس مین ابو مسلم نے منصور کو تعزیت کا خط لکھا مگر اُس مین نہ اُسے خلیفہ ہونے کی مبارکباد دی۔ اور نہ یہ خیال کر کے کہ اب یہی خلیفہ ہے اُس کے پاس نذر دینے کو حاضر ہوا۔ بلکہ کوچ کر کے انبار مین پہونچ گیا۔ اور وہان کے حاکم عیسی بن موسی سے کہا "اب سفاح کے بعد تم لوگون کو چاہیے کہ مجھی کو اُس کا جانشین و خلیفہ تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کرو"۔ اُدھر منصور کے پاس جب ابو مسلم کی طرف سے مبارکباد کا خط نہ گیا تو اُس نے عتاب کیا۔ اور ابو مسلم نے فوراً مبارکباد کا خط بھیج کے اُسے خاموش کر دیا۔

اب منصور کو خبر پہونچی کہ عبداللہ بن علی فاطمی میری خلافت کے مخالف ہین۔ اور مقابلہ پر آمادہ ہین۔ منصور نے سنتے ہی ابو مسلم کو لکھا کہ تم فوراً لشکر لے کے جاؤ۔ اور اس فتنہ کا استیصال کرو۔ اور اپنے ایک معتبر سردار حسن بن قحطبہ کو یہ فرمان دے کے ابو مسلم کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ تم بھی اِس مہم مین اُس کے ساتھ رہنا۔ ابن قحطبہ نے ابو مسلم سے ملنے کے بعد منصور کے وزیر ابو ایوب

کو لکھا "یہاں مین نے عجب رنگ دیکھا - ابومسلم کو فرمان خلافت دیا تو اُس نے پڑھ کے اُسے مالک بن ہیثم کے سامنے ڈال دیا اور اُس نے بھی پڑھا۔ اس کے بعد دونو دیر تک قہقہے لگاتے اور اُس فرمان کا تمسخر کرتے رہے"

مگر ابومسلم فوراً اُس مہم پہ روانہ ہوگیا - ارض عرب مین داخل ہو کے عبداللہ بن علی کو شکست دی - اور واپس آرہا تھا کہ راستہ مین ابوالخصیب نام ایک معزز شخص منصور کا فرمان لے کے اُس کے پاس آیا - اور کہا "امیرالمومنین نے پوچھا ہے اس مہم مین آپ کو کیا ملا اور کس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا؟ اور آپ نے اُسے کیا کیا؟" یہ سوال سنتے ہی ابومسلم کو ایسا طیش آیا کہ قریب تھا ابوالخصیب کو قتل کرڈالے مگر خود ہی کچھ سوچ کے رک گیا اور کہا "مین جانون کا تو امانت دار ہون مگر روپیہ کا خائن ہون" یہ کہہ کے منصور کی نسبت چند سخت سُست کلمات زبان پر لایا۔ ابوالخصیب نے واپس جا کے منصور کو ان واقعات کی اطلاع دے دی۔

اب منصور کو ابومسلم کی سرکشی کا یقین ہوگیا - اور دل مین کہا "ایسا نہ ہو خراسان پہونچ جائے - جہان کا یہ حاکم ہے۔ اس لیے کہ وہان کے لوگ اس کا دم بھرتے ہین - اگر وہان چلا گیا تو بڑی خرابی ہوگی" یہ سوچ کے اُسے لکھا "مین نے تمھین مصر و شام کا والی مقرر کیا - جو ملک تمھارے لیے خراسان سے زیادہ مناسب ہے سیدھے اُدھر ہی چلے جاؤ فارس مین جانے کی ضرورت نہین خود شام مین ٹھہرو - اور مصر مین کسی کو اپنا نائب بنا کے بھیج دو - اس انتظام مین تم مجھ سے قریب رہو گے - اور عنقریب مین تمھین اپنے پاس بلواؤن گا" یہ فرمان پا کے ابومسلم نہایت برہم ہوا - اور کہا "مجھے شام و مصر سے کیا واسطہ؟ میرا علاقہ تو خراسان ہے" مخبر نے یہ خبر بھی منصور کو پہونچا دی -

اب ابومسلم علانیہ نافرمانی پہ آمادہ تھا - عرب سے الجزیرہ مین پہونچا - اور وہان سے خراسان کی راہ لی - خود منصور اس وقت تک شہر انبار مین تھا - ابومسلم کا یہ رنگ دیکھ کے مدائن مین آگیا - اور ابومسلم کو لکھا کہ "ادھر آکے مجھ سے ملو" اس کا جواب یہ ملا "اب امیرالمومنین کا کوئی دشمن نہین باقی رہا - اور ہمارے یہان شاہان آل ساسان کے زمانے سے یہ کہاوت چلی آتی ہے

کہ وزرا کے لیے سب سے زیادہ خوفناک زمانہ وہ ہے جب سلطنت مین کوئی فتنہ و ہنگامہ نہ باقی رہے۔ لہذا ہم آپ کے پاس رہنے سے بھاگتے ہین۔ اظہار وفاداری کے لیے بے شک شایق ہین مگر دور ہی سے۔ اس لیے کہ اسی مین خیریت ہے۔ اس مین اگر آپ راضی ہون تو ہم آپ کے غلام ہین۔ اور اگر آپ اس کے خلاف پر مجبور کرنا چاہتے ہین تو پھر مین نے جو اطاعت و فرمان برداری کا عہد کیا ہے اُسے توڑ دون گا۔ اور جس طرح بنے گا اپنی جان بچاؤن گا۔"

منصور کو یہ خط ملا تو اُس نے جواب لکھا "مین تمھارا مطلب سمجھا۔ مگر تم اُن دغاباز و بدباطن وزرا مین نہین ہو جو اپنے بے انتہا جرائم شدید کے باعث اپنی دولت وسلطنت کو درہم برہم کرنا چاہتے تھے۔ تم نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو ایسے وزیرون مین کیون شامل کر لیا؟ تمھاری فرمان برداری خیر خواہی۔ اور خیراندیشی خلافت تو جیسی ہے صاف ظاہر ہے" بعض لوگ کہتے ہین کہ اس جواب کے بعد بھی ابومسلم نے ایک متمردانہ تحریر بھیجی۔ اب منصور نے اکثر امراے بنی ہاشم کی طرف سے اُس کے پاس اس مضمون کے پرائویٹ خطوط بھجوائے کہ "بلا تامل چلے آؤ۔ دیر کرنا اچھا نہ ہوگا" مگر ابومسلم نے ایک نہ سُنی۔ اور حُلوان کا راستہ لیا۔

اب منصور نے آخری کارروائی یہ کی کہ ابوحمید مرورزی کے ہاتھ استمالت کی ایک اور تحریر بھیجی۔ اور اُسے سمجھایا کہ تم پہلے بہت ہی نرم الفاظ مین زبانی سمجھانا۔ اور اس کے راہ راست پر لانے مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھنا اور جب دیکھنا کہ کسی طرح نہین مانتا تو کہنا "امیرالمومنین کہتے ہین تم نسل بنی عباس سے نہین ہو۔ میرے حکم پر نہ آئے اور سرکشی و تمردکی راہ سے آگے بڑھنے کا قصد کیا تو یاد رکھنا کہ مین مسلمان نہین اگر تمھارا معاملہ خود اپنے سوا کسی اور پر چھوڑ دون۔ جہان جاؤ گے تعاقب کرون گا۔ دریا مین ہو گے تو دریا مین غوطہ لگاؤن گا۔ اور آگ مین ہو گے تو آگ مین پھاند پڑون گا"

ابوحمید حُلوان مین ابومسلم سے ملا۔ منصور کا خط دیا۔ زبانی سمجھایا۔ اور کہا "لوگ آپ کے پاس سے جا کے طرح طرح کی باتین امیرالمومنین کو لگاتے

ہیں۔ حالانکہ وہ آپ کے دوست اور آپ کی خیرخواہیوں اور جان نثاریوں کے شکرگذار ہیں۔ اور سنیے۔ آپ "امیر آل محمد" کے محترم لقب سے مشہور ہیں۔ دنیوی جاہ و ثروت سے زیادہ آپ کا اجر آخرت بڑھا ہوا ہے۔ خدا کے لیے اس اجر کو غارت و کالعدم نہ کیجیے۔ اور شیطان کے فریب میں نہ آئیے" کہتے ہیں کہ ان باتوں کا ابومسلم پر اس قدر اثر پڑا کہ وہ منصور کے پاس چلے جانے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ مگر اُس نے اپنے دوست مالک بن ہیثم سے مشورہ لیا تو اُن نے روکا اور کہا "کہیں ایسا غضب نہ کیجیے گا۔ آپ وہاں گئے۔ اور جان سے مارے گئے"

یہ سُن کے آگے بڑھنے کا قصد کیا۔ اور اپنے معتمد علیہ نائب حاکم رے نیزک کو بلا کے دریافت کیا کہ تمھاری اس میں کیا رائے ہے؟ اُس نے بتایا کہ "آپ نہ خراسان جائیے اور نہ مدائن میں منصور کے پاس جائیے۔ بلکہ میرے ساتھ رے میں چل کے ٹھہریے" اس مشورے کے بعد ابومسلم نے منصور کے پاس جانے سے قطعی انکار کیا۔ جب ابوحمید نے دیکھا کہ مانتا ہی نہیں تو منصور کا آخری پیام بھی پہونچا دیا۔ جسے سُن کے ابومسلم ڈرا۔ اور سہم کے رُکا۔

اسی اثنا میں خلیفہ منصور نے جو ابومسلم کی طرف سے بالکل بدظن ہو چکا تھا اپنا نائب خراسان ابوداؤد کو لکھ بھیجا "خراسان کی ولایت مدت العمر کے لیے تم کو دیجاتی ہے اور اب تم ابومسلم کے ماتحت نہیں بلکہ مستقل والی ہو" ابوداؤد نے یہ فرمان خلافت پاتے ہی ابومسلم کو لکھ بھیجا "ہم خلفائے آلہی اور اہل بیت رسالت کی نافرمانی نہیں کر سکتے لہذا میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ اپنے امام کی مخالفت نہ کریں۔ اور بغیر ان کی اجازت کے ادھر کا قصد نہ فرمائیں" یہ خط پڑھ کے ابومسلم کے رہے سہے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اور فوراً ابوالحمید کے پاس کہلا بھیجا "میرا ارادہ خراسان جانے کا تھا۔ مگر اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہیں ٹھہر کے اپنے وکیل ابواسحق کو امیرالمومنین کی خدمت میں بھیجوں تاکہ معلوم ہو کہ اُن کی مرضی کیا ہے" اور یہ کہتے ہی ابواسحق کو مدائن کی طرف روانہ کر دیا۔

یہ شخص دربار خلافت میں پہونچ کے معززین بنی ہاشم سے ملا تو سب اُس سے اچھی طرح پیش آئے۔ خود منصور نے بھی اُس کی عزت افزائی کی اور

کہا، "تم ابومسلم کو خراسان نہ جانے دو۔ اس کے معاوضہ میں مین تمھین کو والی خراسان مقرر کیے دیتا ہون" یہ کہہ کے اُسے سند ولایت بھی لکھدی۔ ابواسحق نے واپس آکے ابومسلم سے کہا "آپ کو لوگون نے دھوکا دے رکھا ہے۔ وہان تو مین نے سب کو آپ کا دوست بہی خواہ اور ہمدرد ہی پایا۔ میرے نزدیک آپ کے وہان چلے جانے مین کوئی اندیشہ کی بات نہین ہے۔ سب لوگ آپ کا ادب کرتے ہین۔ اور آپ کے حقوق کے معترف ہین۔ آپ چلکے ملئے کہ امیرالمؤمنین سے ملین۔ اور اُن کے حکم پر عمل کرنے مین جو تاخیر ہوئی ہے اُس کے بارے مین کوئی معمولی عذر پیش کر کے معذرت کر لین"

ان مشورے کے مطابق ابومسلم مدائن جانے پر آمادہ ہو گیا۔ اُس کا دوست نیزک اس کے خلاف تھا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ نہین مانتا۔ اور جاتا ہی ہے تو کہنے لگا "خیر اب آپ نے جانے کا قصد کر لیا ہے تو اسی مین خدا کی کچھ مصلحت ہوگی۔ مگر میری ایک بات یاد رکھیے گا۔ جیسے ہی منصور کا سامنا ہو جان پر کھیل کے تلوار کے ایک ہی وار مین اُس کا کام تمام کر دیجیے گا۔ اس کے بعد پھر جس ہاتھ پر چاہیے گا بیعت کر لیجیے گا۔ کوئی بھی آپ کے خلاف نہ ہو گا"

اب ابومسلم نے منصور کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔ اپنی فوج مین سے تین ہزار سوار چن کے اپنے ساتھ لیے۔ اور باقی فوج پر ابونصر کو افسر بنا کے وہین چھوڑ دیا۔

منصور کو جو ابومسلم کا خط ملا تو اُس کو وزیر ابوایوب کے سامنے ڈال دیا اور کہا "مین تو سامنا ہوتے ہی اسے قتل کر ڈالون گا" ابوایوب سن کے چپ ہو رہا۔ اور دل مین ڈرا کہ اگر خلیفۂ امیرالمؤمنین نے یہ کیا تو ابومسلم کے طرفدار بلوہ کر کے چڑھ آئین گے اور میری اور امیرالمؤمنین کی دونون جانون کی خیریت نہین ہے۔ سوچتے سوچتے اُس نے سلمہ بن سعید نام ایک معزز وطامع شخص سے کہا "مین تمھین علاقۂ کسکر کی پوری آمدنی دونگا جس سے پشت ہا پشت کے لیے دولت مند ہو جاؤ گے۔ اتنا کام کرو کہ ابومسلم سے راستہ مین جا کے ملو۔ اور اُسے اطمینان دلاؤ کہ امیرالمؤمنین تم سے بہت

ہی خوش مین۔ اور تھین ماورالنہر کی حکومت کے لیے تجویز کیا ہے تاکہ وہ پوری طرح مطمئن ہو کے خوش خوش یہان آئے۔ سلمہ نے بغیر منصور کی اجازت کے اس خدمت کے انعام دینے مین تامل کیا تو اُس نے خلیفہ سے بھی اجازت دلوا دی بلکہ منصور نے یہ کہا کہ تم میری ہی طرف سے جا کے ملو۔ اور میرا سلام اور خیر مقدم پہونچا دو۔

یہ کارروائی بھی ہو گئی اور ابو مسلم شادان و فرحان منصور کے پاس آیا۔ منصور نہایت ہی خندہ جبینی سے ملا۔ ملاقات پر بڑی مسرت ظاہر کی۔ اور کہا "تین دن تک حمام کیجیے۔ اور آرام فرمائیے۔" اور جب کسل سفر دور ہو لے تو چوتھے دن ہم سے آ کے ملیے۔ وہ زیادہ مطمئن ہو کے اپنی فرودگاہ مین آ کے ٹھہرا۔ اور منصور نے دوسرے دن صبح کو عثمان بن نہیک اور چار اور فوجی افسرون کو بلا کے کہا "ابو مسلم کو قتل کرنا تمھارے ذمے ہے۔ جب وہ دربار مین آئے تم بھی پردے کے پیچھے تیار کھڑے رہنا۔ اور مین جیسے ہی تالی بجا دون نکل پڑنا۔ اور بغیر مجھ سے پوچھے اُسے کاٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔"

دربار کا دن آیا جس دن ۱۳۷ھ اور شعبان کی پچیسوین تھی جلاد تخت کے پیچھے چھپ کے کھڑے ہو گئے۔ اور ابو مسلم ملنے کو آیا۔ منصور نے دو چار باتون کے بعد اُس سے اُن اُمور مین سوالات شروع کیے جن کی شکایت تھی۔ اور ابو مسلم عذرات پیش کرنے لگا۔ اُن مین سے چند سوالات یہ ہین: "عبداللہ بن علی کے مقابلے مین جو تیر ملے تھے کہان ہین؟"

ابو مسلم (ایک تیر نکال کر) "اُن مین سے فقط یہی ایک بچا ہے وہ حاضر ہے۔"

منصور نے وہ تیر لے کے بچھونے کے نیچے رکھ لیا۔

منصور۔ (عتاب کے لہجہ مین) "تم مکہ سے واپس آتے وقت مجھ سے آگے کیون بڑھ آئے؟"

ابو مسلم۔ "مین نے خیال کیا کہ میرے اور آپ کے دو لشکر راستہ کے کنوون پر پڑاؤ ڈالین گے تو وہان کے لوگون کو پانی کی تکلیف ہو گی۔"

منصور۔ "اچھا اُسی سفر مین جب لوگون نے تم کو میرے پاس آنے کا مشورہ

دیا تو تم نے کیا جواب دیا تھا؟"

ابو مسلم "اِس کی وجہ بھی وہی تھی جو اس سے پہلے عرض کی گئی۔"

منصور "تم نے عبداللہ بن علی کی حرم کو اپنے تصرف مین لانے کا ارادہ کیا تھا؟"

ابو مسلم "مین نے اِس اندیشہ سے کہ وہ ضائع نہ ہو جائے اُسے خیمے مین لا کے رکھا اور پہرہ مقرر کر دیا۔ مگر اُس کو تصرف مین لانے کا قصد ہرگز نہین کیا"

منصور "اچھا تو پھر تم منع کرنے پر بھی خراسان جاتے تھے؟"

ابو مسلم "مجھے خیال تھا کہ آپ کے دل مین میری طرف سے کچھ ملال پیدا ہو گیا ہے اس لیے ارادہ تھا کہ جلدی خراسان پہونچ کے عذر خواہی و معافی کی درخواست پیش کرون"

منصور "اور وہ روپیہ جو تم نے خراسان کے خزانے مین جمع کیا تھا کیا لیا؟"

ابو مسلم "خرچ مین تقسیم کر دیا"

منصور "اور خط و کتابت مین تم اپنا نام پہلے لکھتے ہو۔ اور میرا پیچھے؟" "اور ان تم نے میری چچی آمنہ بنت علی کے لیے اپنا پیام دیا تھا؟ ابھی تدر نہین تمھارا خیال ہے کہ تم سلیط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد مین ہو؟ تمھارا دماغ عرش پہ پہونچ گیا ہے۔ اور خیر یہ تو بتاؤ کہ تم نے سلیمان بن کثیر کو کیون قتل کیا؟ حالانکہ اُس نے ہماری امامت کی دعوت مین کوشش کی تھی۔ اور تم سے پہلے ہمارا طرفدار تھا"

ابو مسلم "اُس کے قتل کی یہ وجہ ہے کہ وہ میرے مخالف ہو گیا۔ اور نافرمانی کی تھی"

اب منصور کی چشم و ابرو سے غضب کے آثار نمایان تھے۔ مُنہ مین کف آ گیا تھا۔ اور ساعت بساعت دھمکانے اور سزا دینے کا لہجہ اختیار کرتا جاتا تھا۔ رنگ بدلا دیکھ کر ابو مسلم خوشامد کے طریقے سے منصور کا ہاتھ چومنے اور معذرت کرنے لگا۔ جس پر منصور نے بگڑ کے کہا "تیری حرکتون سے میرا غصہ بڑھتا ہی جاتا ہے"

ابومسلم "امیرالمومنین ان باتون کو جانے دین - اور مین خدا کے سوا کسی سے نہین ڈرتا ہون"

اِس جملہ نے منصور کے تن بدن مین آگ لگا دی - بہت ہی بگڑا - اُسے گالیان دین - اور ساتھ ہی تالی بجادی - جس کی آواز سُنتے ہی جلاد تلوارین کھینچے ہوئے نکل پڑے - عثمان بن نہیک نے آتے ہی ابومسلم کے پرتلے پر اپنی تیغ کا ایک ہاتھ مار کے تلوار کمر سے کاٹ کے گرادی - دوسرا وار نہین کرنے پایا تھا کہ ابومسلم نے فریاد کے لہجے مین کہا "امیرالمومنین - مجھے زندہ رکھیے دشمنون کے مقابل آپ کے کام آؤن گا"

منصور "تجھ سے دشمن سے درگزر کرنے کے لیے خدا مجھے زندہ نہ رکھے"

اب اُس پر چارون طرف سے تلوارین پڑنے لگین - وہ معافی کے لیے چلاتا اور شور کرتا ہی رہا مگر سوارون نے کاٹ کے قیمہ قیمہ کر ڈالا - اور اُس کی لاش چٹائی مین لپیٹ کے کنارے کر دی گئی -

یون خاندان عباسیہ کے بانی اور محسن کا اُسی خاندان کے دوسرے خلیفہ کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا - اور کون محسن جس نے اُن کے لیے خون کے دریا بہا دین -

اُس کے قتل کے بعد اتفاقاً عیسی بن مریم قریشی آیا جو منصور کا عزیز اور اُس کے معتمد علیہ لوگون مین تھا - اور ابومسلم کی نسبت اچھی راے رکھتا تھا - اُس نے آتے ہی پوچھا "امیرالمومنین - ابومسلم کہان ہین؟ ابھی یہین تو آئے تھے" منصور نے متانت سے کہا "ہان ابھی یہان تھے"

موسیٰ "اب تو یقین ہے امیرالمومنین کو اُن کی وفاداری و فرمان برداری معلوم ہو گئی ہو گی - اور حضور کو یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے بزرگ اور محترم بھائی ابراہیم امام کی اُن کی نسبت کیا راے تھی؟"

منصور "تم بڑے احمق ہو - بھلا دنیا مین ہمارا تمھارا اُس سے بھی بڑا کوئی دشمن ہے؟ لو اُسے دیکھ لو - وہ چٹائی مین لپٹا پڑا ہے" عیسی نے چٹائی اُلٹ کے دیکھی - اور کہا "انا للہ و انا الیہ راجعون"

منصور "خدا نے تمھارا دل پھیر دیا ہے۔ بھلا ابومسلم کے جیتے جی تمھیں ملک سلطنت اور حکومت نصیب ہوسکتی تھی؟"

عیسیٰ "خیر اب آپ نے اُس کے ساتھ سختی کی ہے تو اُسے زندہ نہ چھوڑیے" ساتھ ہی اُس کی لاش کو غور سے دیکھ کے کہا "امیرالمومنین۔ یون سمجھیے کہ آج کے دن سے آپ کی سلطنت کا آغاز ہوا ہے"

ابومسلم کو قتل کرنے کے بعد ابوجعفر منصور نے تمام لوگون کے سامنے ایک تقریر کی جس مین کہا "ابومسلم کا آغاز اچھا تھا۔ اور انجام بُرا۔ اس کے دل مین کھوٹ تھا۔ اور ہم نے اُس کھوٹ کو پہچان لیا۔ جو کوئی اُس کے حالات سے واقف ہوگا ہمین اُس کے قتل کرنے پر الزام نہ دے گا۔ وہ بیعت کے خلاف جذبات ظاہر کرتا تھا۔ اور عہدشکنی پر آمادہ تھا۔ اسی وجہ سے ہم پر اُس کا خون حلال ہوگیا۔ اور ہم نے وہی کیا جو ہمین کرنا چاہیے تھا"

ابومسلم کوئی اچھا شخص نہ تھا۔ اس مین شک نہین کہ ایک عباسی خلیفہ کے ہاتھ سے اُس کا قتل ہونا اچھا نہین معلوم ہوتا۔ مگر وہ واقعی مستحق اسی کا تھا۔ بنی امیہ کو مغلوب کر کے اُس نے دنیا مین جیسے جیسے مظالم کیے ہین قیامت تک نہین بھول سکتے۔ چھ لاکھ آدمیون کا خون اُس کی گردن پر تھا۔ وہ نہایت ہی جابر و سخت گیر تھا۔

بنی عباس کے دربار کا رنگ جو سیاہ قرار پایا اُس کی ابتدا بھی اُسی سے ہوئی۔ اِس لیے کہ اُسی کی تجویز سے طرفداران بنی عباس نے اپنے بازوُون پر سیاہ دھجیان باندھی تھین۔ اب کامیاب ہونے کے بعد جب وہ رنگ دربار اور عہدہ داران خلافت کا لباس ہوگیا تو ایک دن کا واقعہ ہے کہ ابومسلم سیاہ قبا پہنے ممبر پر کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ کسی نے اُٹھ کے کہا "یہ آپ کے جسم پر سیاہی کیسی نظر آرہی ہے؟" چونکہ اُن دنون استدلال صرف حدیث سے ہوا کرتا تھا اِس لیے ابومسلم نے کہا "مجھ سے بیان کیا ابوالزبیر نے کہ جابر بن عبداللہ کہتے تھے فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلعم سیاہ عمامہ باندھے ہوئے مکہ مین داخل ہوئے تھے۔ اس رنگ کے کپڑون سے لوگ ان کے

والوں پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ اور یہی لباس دولت عباسیہ کا ہے" یہ جواب دیتے ہی اپنے غلام کو اشارہ کیا کہ "اِس شخص کو قتل کر ڈالو" حکم کے ساتھ ہی وہ آزاد منش آدمی مار ڈالا گیا

عبد اللہ بن مبارک اُس زمانے کے بڑے زبردست مفتی اور محدث تھے کسی نے اُن سے پوچھا۔ "ابو مسلم اچھا تھا یا حجاج؟" اُنھون نے کہا "مین یہ تو نہ کہون گا کہ ابو مسلم کسی سے اچھا تھا۔ لیکن ہان حجاج اُس سے بُرا ضرور تھا"

ابو مسلم مین سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ اُسے عجمیت کا تعصب اور عربون سے بُغض تھا یہان تک کہ باوجود عباسیون کے داعی اور بنی ہاشم کے حامی ہونے کے اُس نے عقائد مذہبی مین بھی آزادیان اختیار کر لی تھین۔ اور لامذہبی کی بنیاد ڈالدی تھی جو اُس کے مارے جانے کے تین ہی چار سال بعد راوندیہ فرقہ کی صورت مین نمودار ہوئی۔ یہ خراسانی لوگ اور ابو مسلم کے پیرو تھے تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ کہتے کہ حضرت آدم کی روح عثمان بن نہیک کے جسم مین نمودار ہوئی ہے۔ اور جبرئیل ہیثم بن معاویہ کے جسم مین آشکارا ہین۔ عباسی خلیفہ کو روزی دینے والا خدا مانتے۔ اور ابو جعفر منصور کے قصر کے سامنے آکے کہنے لگے "یہ ہمارے پروردگار کا محل ہے" اور اِس عقیدے مین اس قدر انہماک تھا کہ منصور نے رد کیا تو اپنے اُسی پروردگار سے لڑنے کو تیار ہو گئے

اور سب سے زیادہ قوی ثبوت اُس کے عجمی تعصب کا یہ ہے کہ اُس کے قتل کے بعد اُسی سال فیروز اصبہبد (سالار فیروز) نے جو سنباد کے لقب سے مشہور تھا خراسان مین خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ وہ مجوسی تھا۔ اور دعوی کرتا تھا کہ ابو مسلم کے خون کا بدلہ لینے کے لیے مین خانہ کعبہ کو جا کے ڈھا دون گا۔ یہ شخص خاص ابو مسلم کا ساختہ و پرداختہ تھا کوہستان کے لوگ اُس کے پیرو تھے۔ اُس نے بڑھ کے نیشاپور اور رے پر قبضہ کر لیا۔ اور بہت سی مسلمان خاتونون اور شرفاے عرب کی بہو بیٹیون کو لونڈیان بنا لیا۔ پھر جب خلافت کی طرف سے ابن عرادہ عجلی اُس کے

مقابلے کو گیا تو اُس نے اُن عربی خاتونوں کو محلون مین چھپا کے اپنے لشکر کے
آگے کر دیا۔ تاکہ وہ نالہ وشیون کے ساتھ اپنی داستان غم سنا کے مسلمانون
خوف زدہ کر دین۔ ان بی بیون نے مسلمانون کی صورت دیکھتے ہی نوحہ
بکا کے ساتھ غل مچایا، "وا محمداہ اذہب الاسلام" (اے محمد (صلعم) اسلام
گیا) خدا کی قدرت وہ یہ جملہ کہہ ہی رہی تھین کہ اُن کے کپڑون مین ہوا بھری۔ اور
آنچل اور دامن فر فر اُڑنے لگے۔ جن کی آواز سے اُونٹ بھڑکے اور اُنھین
لے کے اُلٹے سنباد کے لشکر کی طرف بھاگے۔ اُن کو بھاگتے دیکھ کے سنباد
سپاہی کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ وہ بھی بھاگے اور مسلمانون نے تعاقب کر
مارنا شروع کیا۔

یہ فتنہ اسی پر ختم نہین ہوگیا۔ اس صدی کے آخر تک بلکہ اُس سے
بعد بھی جتنی بغاوتین بدعقیدگی و لا مذہبی کی شان سے مشرقی صوبجات خلافت
عباسیہ مین ہوئین سب مین ابو مسلم کے بیہودہ عقائد اور اُس کی مجوسانہ بد
کی بُو ضرور موجود تھی۔